مہوش افتخار

مہوش افتخار

جاگ آرزو

زمین پہ گرا اس کا وجود، ٹھوکروں کی زد میں تھا۔ جو اس کے جسم پہ اندھا دھند اور انتہائی بے رحمی سے لگائی جا رہی تھیں۔ وہ تڑپ رہا تھا، چیخ رہا تھا، لیکن وہاں کوئی اس کا مددگار نہ تھا۔ درد کی شدت ہر ضرب پہ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے برانڈڈ کپڑے خاک اور خون سے اٹنے لگے تھے۔ جبکہ وجیہہ چہرے کے تیکھے اور مغرور خدوخال، آنسوؤں، خون اور گرد کے پیچھے چھپ گئے تھے۔

رفتہ رفتہ اس کا جسم شل ہونے لگا تھا۔ مزاحمت دم توڑتی جا رہی تھی۔ ان کے جوتے اب بھی اسے رگید رہے تھے، لیکن درد میں وہ شدت نہ رہی تھی۔ سوئی جاگی کیفیت میں اس نے اپنے بے وزن وجود کو ہوا میں اٹھتا محسوس کیا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ پوری طاقت سے کچرے کے ڈھیر پہ پھینک دیا گیا تھا۔

اس کا سر بڑی زور سے کسی چیز سے ٹکرایا تھا اور لبوں سے بے اختیار اک کراہ نکلی تھی۔ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ ایک آخری احساس بڑی شدت سے اس کے اندر جاگا تھا...... تعفن کا کریہہ احساس۔ تعفن۔ جو اس کے ناک اور منہ میں گھسنے لگا تھا اس کے شان دار وجود سے لپٹنے لگا تھا۔ مگر......

مکمل ناول

☼ ☼ ☼

سبز بیلوں سے ڈھکے خوب صورت سے بنگلے کے سیاہ گیٹ پر پہرہ دیتے چوکیدار نے جانے پہچانے ہارن پر مستعدی سے آگے بڑھ کے گیٹ کھولا تھا اور باہر منتظر کھڑی گاڑی سبک رفتاری سے اندر داخل ہوئی۔ سیدھی سامنے پورچ میں جا کھڑی ہوئی تھی۔

"سلام بی بی۔" وہ پرس' لیپ ٹاپ اور دوائیں اٹھائے باہر نکلی تو گیٹ بند کرتے دل شیر نے پلٹ کے اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو دل شیر؟" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ لیے اپنے مخصوص نرم لہجے میں استفسار کیا۔

"اللہ کا شکر ہے بی بی۔" جواباً" وہ مسکرا کر بولا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی' عمارت کے داخلی دروازے کی جانب چلی آئی' لیکن اس سے پہلے کہ اس کے ہاتھ دروازے کو چھو جاتے' دروازہ اندر سے کھل گیا۔

"السلام علیکم!" مما جان کے شفیق چہرے پہ نظر پڑتے ہی اس کے لب خود بہ خود مسکرا دیے۔

"وعلیکم السلام! آج اتنی دیر کیوں ہو گئی تمہیں؟" دروازہ بند کرتے وہ اس کے پیچھے چلی آئی تھیں۔ ان کے متفکر لہجے نے مہر کی مسکراہٹ گہری کر دی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا سامان کاؤچ پہ ڈھیر کرتے وہ خود بھی قریب ہی گر سی گئی تھی۔

"بس آج پرنسپل نے اچانک میٹنگ کے لیے بلایا تھا' اس لیے دیر ہو گئی۔" اس نے جواب دیتے ہوئے پاس پڑا دواؤں والا شاپر اٹھا کر ان کی جانب بڑھایا۔

"یہ آپ کی دوائیں۔"

"کیا ضرورت تھی آج لانے کی۔ کل آجاتیں۔" وہ شاپر لیتے ہوئے خفگی سے بولیں۔ مہر مسکراتے ہوئے جھک کر سینڈل اتارنے لگی۔

"کالج میں کچھ کھایا تھا یا نہیں؟" ان کے سوال پہ اس کا جھکا سر نفی میں ہل گیا۔

"صرف جوس پیا تھا۔"

"تو بیٹا! وہ بھی نہ پیتیں۔ خواہ مخواہ زحمت کی۔" وہ سیدھی ہوئی تو نظریں ان کے خفا چہرے سے جا ٹکرائیں۔ ایسے ٹھنڈے میٹھے انداز میں کلاس لینا ان کا ہی خاصا تھا۔ مہر نے بے اختیار اپنی گہری ہوتی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا۔

"پاپا نے صبح اپنی شوگر چیک کی تھی؟" اس کے استفسار نے انجم بیگم کے چہرے پہ چھائی خفگی میں اضافہ کر دیا۔

"ایک سوائے اپنے' سب کی فکر ہے۔" ان کی فہمائشی نظروں پر اس نے ان کے کندھے پہ سر رکھ دیا۔

"میری فکر کرنے کے لیے آپ جو ہیں۔" وہ لاڈ سے بولی تو انجم بے اختیار اک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئیں۔

"میں کھانا لگواتی ہوں۔ تم فریش ہو جاؤ۔" وہ اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے بولیں تو مہران کا گال چومتی اٹھ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے منہ ہاتھ دھو کر ڈائننگ ٹیبل پہ آئی تو منتظر بیٹھی انجم بیگم نے اس کے آگے چاولوں کی ڈش بڑھائی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے زیب کا فون آیا تھا۔ بتا رہی تھی کہ آج جائشہ کے سسرال والوں کا فون آیا تھا۔ وہ اس جمعے کو منگنی کا فنکشن رکھنا چاہ رہے ہیں۔" ان کی بات پہ مہر کا چاول نکالتا ہاتھ یک لخت ساکت ہو گیا۔

"میں وہاں نہیں جاؤں گی۔" وہ لہجے کا توقف کیے بنا سپاٹ لہجے میں بولی تو انجم بیگم کی نظریں اس کے چہرے پہ جا ٹھہریں۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ تم جانتی ہو کہ تمہارا وہاں جانا کتنا ضروری ہے۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں اسے ٹوکا۔

"مگر مما جان! میں اس شخص.........."

"وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔" انہوں نے اس کی

بات کاٹی۔

"بہن کی منگنی تک تو لازما "لوٹ آئے گا نا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا چمچ واپس ڈش میں پٹخا۔

"مشکل ہے۔ زیب بتا رہی تھی کہ کسی فارن کمپنی سے ڈیل ہو رہی ہے۔ اس لیے وہ شاید شرکت نہیں کر سکے گا۔" اس کے برعکس وہ مکمل طور پہ پرسکون تھیں۔

"اور اگر آ گیا تو؟"

"تو آجائے۔ ہم کیا اس سے ڈرتے ہیں؟" اب کے انہوں نے خفگی سے اسے دیکھا تو مہر کے چہرے پہ بے بسی پھیل گئی۔

"مگر مما جان......"

"کوئی اگر مگر نہیں۔ تمہارا اس معاملے میں خود کو مضبوط کرنا بے حد ضروری ہے مہر! ورنہ زندگی بہت مشکل ہو جائے گی بیٹا!" انہوں نے دھیرے سے سمجھاتے ہوئے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا تو مہر بے اختیار اک بوجھل سانس کھینچ کے رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

نیویارک میں طلوع ہونے والی یہ ایک معمول کی صبح تھی۔ مارک نے اپنی بیوی جوزفین کو روز کی طرح اس کے دفتر کے باہر ڈراپ کیا تھا اور خود اپنے دفتر کی جانب گاڑی بڑھانے کو تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ دھیان سے گاڑی ایک طرف کرتے ہوئے اس نے عجلت میں اپنا سیل فون جیب سے نکالا جس کی اسکرین پہ کوئی انجانا نمبر جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو!" کال ریسیو کرتے ہوئے اس نے ایک نظر کلائی پر بندھی گھڑی پہ ڈالی تھی۔

"مسٹر مارک بات کر رہے ہیں؟" دوسری طرف سے کسی خاتون کی آواز آئی تو وہ بے اختیار چونک گیا۔

"جی۔"

"میں کمیونٹی ہیلتھ کیئر سینٹر سے بات کر رہی ہوں۔ آپ کسی سیم نامی شخص کو جانتے ہیں؟" دوسری جانب سے سوال کیا گیا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"جی... وہ... وہ میرا دوست ہے... سب ٹھیک تو ہے نا؟" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"معذرت کے ساتھ، لیکن وہ ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ پلیز، جتنی جلدی ہو سکے یہاں پہنچ جائیں۔"

"کیا؟" دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع نے لحظہ بھر کو اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے۔

"او کے۔ میں۔ میں پہنچ رہا ہوں۔ آپ کس کمیونٹی سینٹر سے بات کر رہی ہیں؟" خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے دریافت کیا اور پھر دوسری جانب کا جواب سن کر اس نے "آنا" فانا" گاڑی مطلوبہ سینٹر کی جانب موڑ دی۔

☼ ☼ ☼

عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ زیب بیگم نماز ادا کر کے ملازمہ کو چائے رکھنے کی ہدایت دیتی لاؤنج میں داخل ہوئیں تو صوفے پر منہ بسورے بیٹھی جائشہ نے ان کی

جانب دیکھا۔

"امی! یہ کیا بات ہوئی بھلا' آپ لوگوں نے انہیں اگلے جمعے کے لیے کیوں نہیں کہا۔"

"بیٹا اگلے ہفتے نویا واپس آسٹریلیا جارہی ہے۔ تمہاری ساس کہہ رہی تھیں کہ یہی تین چار دن ہیں ان کے پاس۔" انہوں نے اس کی ہونے والی نند کا حوالہ دیا تو جائشہ کو غصہ آگیا۔

"اور جو میرا بھائی یہاں نہیں ہے وہ؟"

"جاشی ٹھیک کہہ رہی ہے امی! حنان بھائی کے بغیر بھلا کیا اچھا لگے گا۔" نویرہ نے بڑی بہن کی تائید کی۔ زیب اک گہری سانس لیتے ہوئے بولیں۔

"مجبوری ہے بیٹا۔ اب ہم انہیں منع تو نہیں کرسکتے تھے نا اور پھر تمہارے ڈیڈی نے حنان کے مشورے سے ہی ہامی بھری ہے۔"

"بھائی نے تو ساری بات سن کے یہی کہنا تھا' مگر میں ان کے بغیر یہ فنکشن نہیں کرنے والی۔" جائشہ قطعی لہجے میں بولی۔

"تم ایسا کرو بھائی سے کہو کہ وہ ہر حال میں جمعے کی شام تک یہاں پہنچ جائیں۔ فنکشن اٹینڈ کریں اور پھر اگلے دن واپس چلے جائیں۔" نویرہ نے اسے دیکھتے ہوئے مشورہ دیا تو زیب بیگم کا مطمئن دل یک لخت پریشان ہوگیا۔

"کوئی ضرورت نہیں اسے پاگلوں کی طرح یہاں وہاں دوڑانے کی۔ ہم نے کون سا کوئی بہت بڑا فنکشن کرنا ہے۔ ایک چھوٹی سی تقریب ہونی ہے اور بس۔"

"لیکن امی....."

"فضول کی بحث مت کرو جائشہ۔ حنان اگر جمعے تک فارغ ہوگیا تو پہنچ جائے گا۔ وہ کہہ چکا ہے تمہارے ڈیڈی سے۔" زیب قطعیت سے بولیں تو دونوں بہنیں ایک دوسرے کو دیکھتی خاموش ہوگئیں۔

☼ ☼ ☼ ☼
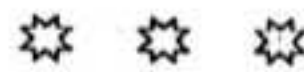
حیران پریشان بیٹھے مارک نے نظریں اٹھاتے ہوئے ایک بار پھر شیشے کی دیوار کے پار پٹیوں میں جکڑے اور مشینوں میں گھرے وجود کی جانب دیکھا اور اس کا ذہن نئے سرے سے ماؤف ہونے لگا۔ وہ یعنی سیم اور نیویارک کے ایک مخدوش' بدنام زمانہ علاقے کے کچرے کے ڈھیر پر! اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے وہ کتنی ہی دیر خالی الذہنی کے عالم میں اسے تکتا رہا اور پھر اس نے تھک کر بے اختیار اپنا سر تھام لیا۔

کچھ دیر قبل اپنی گاڑی اسپتال کی جانب دوڑاتے ہوئے اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہاں اسے سیم اس درجہ بری حالت میں ملے گا۔ اسے آئی سی یو میں دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی' لیکن جب وہاں کی انتظامیہ کے ذریعے اسے وہاں پہنچانے والی خاتون کا بیان سننے کو ملا تھا تب تو وہ بچ میں مارے حیرت کے سکتے میں آگیا تھا اور اس کی یہ بے یقینی تاحال برقرار تھی۔

وہ جتنی بار نظر اٹھا کر اس کے بے سدھ وجود کی طرف دیکھتا' اتنی ہی بار نئے سرے سے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتا۔ اس وقت بھی اس کے کانوں میں ڈاکٹر کی آواز گونج رہی تھی۔ جب انہوں نے پہلے پہل پوری بات اس کے گوش گزار کی تھی۔

"انہیں یہاں ایک خاتون لے کر آئی تھیں۔ یہ انہیں آج صبح اپنے گھر کی پچھلی گلی میں موجود کچرے کے ڈرمز کے درمیان کوڑے کے ڈھیر پر انتہائی زخمی حالت میں ملے تھے۔ ان کا کافی سے زیادہ خون بہہ چکا تھا۔ اس لیے ان کی حالت خاصی نازک تھی۔ ہم نے انہیں ٹریٹمنٹ دینے کے بعد ان کے کپڑوں کی تلاش لی تھی۔ تب ہمیں ان کی جیب سے ایک واحد وزٹنگ کارڈ ملا تھا جس پہ "مارک اینڈ سیم" پرائیویٹ لمیٹڈ لکھا ہوا تھا۔ ان کے بازو پہ چونکہ سیم نام کا ایک ٹیٹو (TATOO) موجود تھا اس لیے ہم سمجھ گئے تھے کہ یہ کارڈ ان ہی کے آفس کا ہے۔ اس کارڈ پر لکھے نمبر سے ہی ہم نے آپ سے رابطہ کیا تھا اور صد شکر کہ آپ ہمیں وقت پر مل گئے۔ ورنہ تو یہ کیس مزید الجھ جاتا۔" اور آنکھیں پھاڑے بیٹھے مارک کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس تفصیل نے حقیقتاً "اس کی بولنے

کی صلاحیت سلب کرلی تھی۔
"ہم نے رولز کے مطابق ان کے بارے میں پولیس کو انفارم کردیا ہے۔ وہ یہاں کچھ ہی دیر میں پہنچنے والی ہے۔" ڈاکٹر کی اگلی اطلاع پہ وہ بامشکل تمام اپنے سر کو اثبات میں ہلا پایا تھا۔
"کیا آپ جانتے ہیں مسٹر مارک! کہ یہ اس علاقے میں کیا کرنے گئے تھے؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد ڈاکٹر نے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ تو اس کا سر میکانکی انداز میں نفی میں ہل گیا۔
"مجھے۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں۔۔۔" اس کی بات پہ ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لی۔
"اس کا مطلب ہے کہ اصل صورت حال ان کے ہوش میں آنے کے بعد ہی واضح ہوگی۔" انہوں نے پرسوچ لہجے میں کہا تو اس کے شل ہوتے ذہن میں سیم کی حالت کا احساس جاگا۔
"یہ کب تک ہوش میں آجائے گا ڈاکٹر؟"
"کچھ کہہ نہیں سکتے۔ بلیڈنگ کی زیادتی کی وجہ سے اگلے چوبیس گھنٹے خاصے کریٹیکل (Critical) ہیں۔"
"کوئی اندرونی چوٹیں تو نہیں ہیں نا؟" اس نے پریشانی سے سوال کیا۔
"سر کے پچھلے حصے میں خاصی گہری چوٹ آئی ہے' لیکن اسکیننگ کے ذریعے پتا چلا ہے کہ کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ زخم تو کافی ہیں' لیکن شکر ہے کہ اور کوئی سیریس انجری نہیں ہوئی۔" ڈاکٹر کی بات پہ اس کے دل کو تھوڑی تسلی ہوئی۔
"ان کا سیل فون' والٹ' ڈرائیونگ لائسنس؟"
"کچھ بھی ان کے پاس نہیں تھا۔" ڈاکٹر نے رسان سے جواب دیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا' ان کا شکریہ ادا کرکے کمرے سے نکل آیا۔ جوزفین کو اس کے آفس میں فون کرکے مطلع کرنے کے بعد اس نے آنے والے پولیس آفیسرز کو اپنا بیان دیا تھا۔
ان کے جانے کے بعد لامتناہی سوچوں کا ایک سلسلہ تھا جس نے اس کے ذہن کو پراگندہ کردیا تھا۔

ان میں سب سے عجیب اور تلخ احساس اس کا کچرے کے ڈھیر پہ پایا جانا تھا۔ یہ سب کیسے ہوا تھا؟ کس نے کیا تھا؟ اور سب سے بڑی بات وہ کل رات اس علاقے میں کیا کررہا تھا؟ یہ وہ سوالات تھے جنہوں نے اس کے اندر ادھم مچا رکھا تھا' مگر فی الوقت اس کے پاس سوائے صبر اور انتظار کے دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

منگنی کی تقریب کو زیب بیگم اور صغیر صاحب نے محدود پیمانے تک رکھنے کی کافی کوشش کی تھی' مگر نہ نہ کرنے کے باوجود سب ہی لوازمات اکٹھے ہوتے چلے گئے تھے۔ نتیجتاً" جمعے کی شام تک "قاضی ولا" میں رنگ و نور کی بھرپور تقریب منعقد ہوگئی تھی۔ جسے دیکھ دیکھ کر جائشہ کا موڈ مزید خراب ہوگیا تھا۔ وہ صبح سے کتنی بار حنان سے رابطے کی کوشش کرچکی تھی' مگر نجانے ایسی کون سی مصروفیت تھی کہ وہ اس کا فون تک نہیں اٹھا رہا تھا۔
جائشہ کی فرمائش پہ اسے مہر اور نویرہ نے مل کر گھر پر ہی تیار کیا تھا۔ دودھیا گلابی کامدانی سوٹ میں وہ کھلی کھلی سی بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ اس کی تیاری سے فراغت پا کے مہر اپنے کپڑے اٹھائے واش روم میں گھس گئی تھی۔
شاور لینے کے بعد اس نے اپنے اسٹیپ میں کٹے چمک دار بالوں کو بلوڈرائی کرکے کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔ مناسب میک اپ اور نازک سی ڈائمنڈ جیولری پہننے کے بعد وہ شیفون کے پرل آف وائٹ اور ڈل گولڈن سوٹ میں نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔
مہمانوں کی آمد کے ساتھ ہر طرف پھیلی رونق میں اضافہ ہوگیا تھا۔ منگنی کی رسم کی ادائیگی کے لیے جائشہ کو لاکے اس کے ہونے والے منگیتر کے پہلو میں بٹھایا گیا تو محفل کو گویا چار چاند لگ گئے۔ رسم کی ادائیگی کے بعد تصویروں کا سلسلہ چل نکلا جس کے بعد مہمانوں کے لیے ارینج کیا گیا ڈنر لگادیا گیا تھا۔

زیب بیگم کی ہدایت پہ مہر اور نوریہ' جائشہ کو اندر لے گئی تھیں۔ جہاں اس کی فرینڈز اور خاندان کی دیگر لڑکیوں نے ڈیرہ جما لیا تھا۔ اندر باہر ہر طرف مسکراہٹوں اور خوش گپیوں کا سلسلہ تھا۔ مہر بھی جائشہ کی دونوں نندوں کے ساتھ لان میں کھڑی باتوں میں مصروف تھی جب انجم اور زیب اس کے پاس چلی آئیں۔ انہیں آتا دیکھ کر مہر دونوں لڑکیوں سے معذرت کرتی ماں اور خالہ کی جانب بڑھی۔

"بیٹا! تم ایسا کرو اندر جاؤ۔ اور نجیب سے کہہ کر میرے کمرے میں رکھے مہمانوں کے تحفے باہر لے آؤ۔" زیب بیگم کی بات پہ وہ اثبات میں سرہلاتی اندر چل دی۔

نجیب (ملازم) سے سارے تحائف اٹھوانے کے بعد وہ اسے ساتھ لیے واپس لان میں پلٹی تو وہاں خوش گوار سی ہلچل دیکھ کے ایک پل کو الجھ سی گئی' لیکن جوں ہی اس کی نظر جائشہ کے سسرالیوں سے پرتپاک انداز میں ملتے حنان سے ٹکرائی اس کا دل تیزی سے ڈوب کر ابھرا اور قدم غیر ارادی طور پہ ساکت ہو گئے۔ وہ یوں بنا بتائے پہنچ جائے گا' اس بات کا کسی کو اندازہ نہ تھا۔

"بی بی جی' یہ کہاں رکھوں؟" اسے اپنی جگہ پہ جما دیکھ کے چیزیں اٹھائے کھڑے نجیب نے آہستگی سے سوال کیا تو وہ خود کو سنبھالتی' سامنے لگے صوفوں کے درمیان میں رکھی میز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"وہاں رکھ دو۔ اور امی کو بتا دینا۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ ایک لمحے کا توقف کیے بنا پلٹ کر تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

وہ اس شخص کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسی لیے جائشہ کے کمرے میں جانے کے بجائے سیدھا نوریہ کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے وہ غصے میں لب بھینچے بیڈ پہ آ کے گر سی گئی تھی۔

یہ شخص اس کی زندگی کا وہ سیاہ باب تھا' جسے وہ چاہ کر بھی اپنی زندگی کی کتاب سے پھاڑ کر الگ نہیں کر سکتی تھی۔ اس شخص نے رشتوں پہ اعتبار کے لائق نہ چھوڑا تھا۔

وہ اس پل ہمیشہ کی طرح خود کو بہت بے بس اور کمزور محسوس کر رہی تھی۔ جس کے پاس کوئی راہ فرار نہ تھی۔ ذہن تھا کہ الجھتا چلا جا رہا تھا۔ تب ہی باہر سے حنان کے ہنسنے اور نوریہ اور جائشہ کی حیرت سے بھرپور خوش گوار چہکاریں سنائی دی تھیں۔ یقیناً" وہ اندر جائشہ کے کمرے میں آچکا تھا اور بھائی کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کے دونوں خوشی سے کھل اٹھی تھیں۔

باہر مچے ہنگامے نے اس کے اندر دکھ کی نئی لہر پیدا کر دی تھی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی شخص ہے۔ جس کی نظروں سے خود کو چھپانے کے لیے وہ اس کمرے کی تنہائی میں آ بیٹھی تھی یا پھر ہر مرد ہی دوہرے معیار کا قائل ہوتا ہے۔ اپنی بہنوں' بیٹیوں کے لیے کچھ اور۔ اور دوسروں کی عزتوں کے لیے کچھ اور......

موبائل کی اچانک بیل نے اس کی تلخ سوچوں کو بکھیر دیا تھا۔ گہری سانس لیتے ہوئے اس نے پرس میں رکھا فون نکالا۔ جس کی اسکرین پہ انجم بیگم کا نام دیکھ کے اس کے لبوں پہ زخم خوردہ مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔ گنتی کے چند ناموں کے سوا بھلا اس کی فکر کرنے والا تھا ہی کون؟

"کہاں ہو تم مہر؟ میں اور زیب کب سے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔" اس کی "جی مما" کے جواب میں وہ پریشانی سے بولیں تو وہ دھیرے سے گویا ہوئی۔

"میں اندر نوریہ کے کمرے میں ہوں۔"

"وہاں اکیلی کیا کر رہی ہو بیٹا۔ باہر آ کے سب کے درمیان بیٹھو۔" ان کے رسان سے کہنے پہ وہ چڑ سی گئی۔

"پلیز مما جان! میں اس فضول شخص کی نظروں کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔" اس کی بات پہ انجم لمحے بھر کو خاموش ہو گئیں۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ وہ لازما" پہنچے گا۔" جھنجلاہٹ نے اسے غصے میں مبتلا کر دیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں زیب سے کہتی ہوں کہ وہ تمہیں ڈرائیور کے ساتھ گھر بھجوا دے۔"

وہ لمحے بھر کے توقف کے بعد بولیں حالانکہ وہ چاہتی تھیں کہ مہر باہر آئے اور بالکل نارمل فنکشن اٹینڈ کرے' مگر بہر کیف وہ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتی تھیں۔

"رفیق سے کہیے گا کہ وہ پورچ میں میرا انتظار کرے۔ میں دس' پندرہ منٹ تک باہر آتی ہوں۔"

اس نے ایک نظر دروازے کی جانب دیکھا۔

"ٹھیک ہے' لیکن نکلنے سے پہلے مجھے کال کر دینا۔"

"جی۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے پونے دس ہونے کو تھے۔ فون بند کرکے وہ دروازے کی جانب چلی آئی' جس کی دوسری طرف سے اب بھی ہنسنے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ تقریباً" دس منٹ بعد باہر سے آتے شور میں کمی واقع ہوئی تو مہر نے آہستگی سے دروازہ کھولتے ہوئے احتیاط سے باہر جھانکا' اور راہداری خالی دیکھ کے بے اختیار اطمینان بھری سانس لیتی باہر نکل آئی۔

اپنے پیچھے دروازہ بند کرتی وہ تیز قدموں سے داخلی دروازے کے بجائے راہداری کے دوسرے سرے پر موجود دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ جو گھر کے عقبی لان میں کھلتا تھا۔ وہاں سے وہ باآسانی کسی کی نظروں میں آئے بنا گھوم کر پورچ تک پہنچ سکتی تھی۔ محتاط انداز میں دروازہ کھول کے اس نے باہر نکل کر انجم بیگم کو کال ملائی۔

"مما! میں جارہی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔۔ تمہارے پاپا سے میں نے کہہ دیا ہے کہ تمہارے سر میں شدید درد ہے۔ اس لیے زیب تمہیں ڈرائیور کے ساتھ گھر بھجوا رہی ہے۔" ان کے سمجھانے پر مہر نے ہنکارا بھرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

اپنوں کے درمیان سے یوں چوری چھپے نکلنا اس کے اندر پژمردگی کے ساتھ غم و غصے کی شدید لہر برپا کر گیا تھا۔ اسے خود پہ' اپنی بے بسی پہ اور سب سے بڑھ کے اسے ان حالات تک پہنچانے والے پہ بے انتہا غصہ آرہا تھا۔ لب بھینچے وہ اپنے دھیان میں آگے بڑھی تھی' لیکن جوں ہی اس کی نظر سامنے کو اٹھی تھی اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

اس کے مقابل عمارت کی دوسری جانب سے بلیک ٹو پیس میں ملبوس حنان' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اسی کی طرف آرہا تھا۔

"جانتا تھا کہ مجھے اچانک سامنے پاکر تم یونہی فرار کی راہ اختیار کرو گی' لیکن جان حنان! تم ہمیشہ یہ بات بھول جاتی ہو کہ تمہارے معاملے میں' میں ایک تیسری آنکھ بھی رکھتا ہوں اور وہ آنکھ میں کبھی بند نہیں کرتا۔"

اس سے محض چند فٹ کے فاصلے پہ رکتے ہوئے وہ گمبھیر لہجے میں کہتا استہزائیہ انداز میں مسکرایا تو مہر کی ہتھیلیاں پسیج گئیں۔ وہ اس سے اس درجہ چوکسی کی امید نہیں رکھتی تھی۔

"پھر کہو کیسا لگا میرا سرپرائز؟ آئی مین دونوں سرپرائز؟" اس کے اڑے اڑے چہرے پہ نگاہیں جمائے وہ حظ اٹھاتے ہوئے بولا۔ مہر نے کڑی نظروں سے اس کے تیور دیکھے اور بنا کوئی جواب دیے پلٹ کر واپس اندر جاتے دروازے کی جانب بڑھی ہی تھی کہ اس کی کلائی حنان کی مضبوط گرفت میں آگئی۔

"ہاتھ چھوڑو میرا!" اشتعال سے پلٹتے ہوئے اس نے غصے سے حنان کی طرف دیکھا۔

"تمہیں معلوم ہے! تمہاری یہ ضد' یہ گریز' میری محبت کو اور بھی ہوا دیتا ہے۔ اتنی ہوا کہ مجھے تم سے ہی نفرت ہونے لگتی ہے۔۔۔ دل چاہتا ہے تمہیں توڑ موڑ کے وہاں پھینک دوں۔ جہاں سے تمہارا خیال تک واپس نہ آئے۔" لبوں پہ یہ زہر خند مسکراہٹ اور آنکھوں میں عجیب سی برودت لیے اس نے مہر کی کلائی پہ اچانک اتنا دباؤ بڑھایا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔

"حنان!"

"کیوں' درد ہوا جان حنان؟" اس کے چہرے سے چھلکتی تکلیف کو دیکھتے ہوئے اس نے مسکرا کر پوچھا۔

اور پھر اپنی گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے بے اختیار اس کا سرخ پڑتا ہاتھ لبوں سے لگالیا۔
"بہت۔ بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ اس کی یہ حرکت اتنی اچانک اور اتنی غیر متوقع تھی کہ مہر کا پورا وجود سناٹے میں آگیا لیکن فقط لمحے بھر کے لیے۔ اگلے ہی پل اس کے اندر گویا وحشت سی بھر گئی۔ اس کا دایاں ہاتھ گھوما مگر اس سے پہلے کہ حنان کے چہرے پر اپنا نشان چھوڑتا' اس نے ہوا میں ہی مہر کا ہاتھ روک لیا۔
"اوں ہوں۔ یہ غلطی کبھی مت کرنا۔ ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔" سرد لہجے میں کہتے ہوئے اس نے جھٹکے کے انداز میں اس کے دونوں ہاتھ چھوڑے تو وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتی تیزی سے پیچھے ہٹی۔
"حنان قاضی! اپنے اندر کی غلاظت کو اپنی ذات تک محدود رکھو۔"
"الفاظ وہ بولو جن کی چبھن کو بعد میں برداشت کرسکو۔ کیونکہ میں اپنی توہین کرنے والوں کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کیا کرتا۔" اس کی بات پہ مہر کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
"توہین ان کی ہوا کرتی ہے۔ جن کی کوئی عزت ہو۔ اپنے گھر میں نقب لگانے والے بے ایمان کو تو کوئی لٹیرا بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔"
"کیا شعلہ بیانی ہے۔ بہت خوب!" اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔
"لگتا ہے خاصی ہمت بندھائی گئی ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ تم اور تمہاری یہ دونوں زمینی نگہبان اگر چاہیں بھی تو تمہیں مجھ سے چھین نہیں سکتیں!"
"تم نے مجھے پایا ہی کس دن تھا؟" مہر نے تمسخرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دوبدو جواب دیا۔ تو حنان ایک پل کو واقعی لاجواب ہوگیا۔ اس کے چہرے پہ پھیلتی ناگواری مہر کو اندر تک پرسکون کر گئی۔
"حنان صاحب! حقیقت آپ کے نہ ماننے سے بدل نہیں جائے گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مہر کی زندگی میں کسی حنان قاضی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے عقل مندی اسی میں ہے کہ آپ اپنی ہار تسلیم کرلیں اور میرے راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹ جائیں۔"
"حقیقت تو تمہارے نہ ماننے سے بھی نہیں بدلے گی جانِ حنان۔ کیونکہ ایک حقیقت تو یہ بھی ہے کہ بے نشان لوگوں کو اتنے بڑے بڑے دعوے زیب نہیں دیتے!" اتنی کاری ضرب پہ مہر کا سارا خون چہرے پہ سمٹ آیا تھا۔ "اس لیے عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ خود کو خوش گمانی کی اس تصوراتی دنیا سے باہر نکال کر ہمیشہ کے لیے میرا ہاتھ تھام لو!" کاٹ دار مسکراہٹ لبوں پہ سجائے اس نے اپنا ہاتھ مہر کی جانب پھیلایا۔ اس کا ایک ایک لفظ مہر کے اندر چنگاریاں سی بھر گیا۔
"یہ ہاتھ تھامنے سے بہتر ہے کہ میں تاعمر یوں ہی بے نشان کھڑی رہوں۔ کیونکہ تم میری زندگی کا وہ ناسور ہو حنان قاضی۔ جس نے میرا رشتوں پہ سے اعتبار ہی ختم کردیا۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں شدید نفرت!" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر اندر جاتے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس کے قدم دہلیز پار کرتے' حنان کی سرد آواز نے لحظہ بھر کو اس کی رفتار دھیمی کردی تھی۔
"نفرت کا یہ اظہار تمہیں بہت مہنگا پڑے گا مہر بی بی! اب دیکھنا میں تمہاری ہر خوش فہمی کی کیسے دھجیاں اڑاتا ہوں۔" اور مہر کا دل اس کی بات پہ تیزی سے ڈوب کر ابھرا تھا۔
مگر وہ بنا رکے دروازہ کھول کر اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

تاریک انجان گلیوں میں اندھا دھند بھاگتے ہوئے اس نے خوف زدہ نظروں سے پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا۔ اور ان خوفناک بھوکے کتوں کو اپنے پیچھے پوری رفتار سے آتا دیکھ کے اس کا سارا وجود کانپ اٹھا تھا۔ ایک جھٹکے سے رُخ موڑتے ہوئے اس نے وحشت زدہ

نظروں سے اردگرد موجود بند دروازوں اور کھڑکیوں کو تکتے ہوئے چلا کر مدد کی استدعا کی تھی۔ لیکن اس کی صدا ان ویران گلیوں میں گونج کر واپس لوٹ آئی تھی۔ اس کی ٹانگیں بھاگ بھاگ کر شل ہونے لگی تھیں۔ بے تحاشا پھولتی سانس اور جلتا حلق اس کی برداشت کو آخری حد پہ لے آیا تھا۔ اس کی رفتار کم ہونے لگی تھی۔ رال ٹپکاتے' غراتے ہوئے کتے قریب آنے لگے تھے۔ تب ہی اچانک سامنے ایک دروازہ نمودار ہوا تھا۔ جو اس کی مدد کے لیے کھول دیا گیا تھا۔

کھلا دروازہ دیکھ کے اس کے پست ہوئے وجود میں نئی جان پڑ گئی تھی۔ وہ دیوانہ وار اپنی پہلی اور شاید آخری پناہ گاہ کی جانب بھاگنے لگا تھا۔ اس کے قدموں نے دہلیز کو چھو لیا تھا۔ لیکن۔ اندر جانے کے بجائے وہ۔ وہ وہیں ساکت ہو گیا تھا۔ اگلے ہی پل وہ مڑا تھا اور اس نے دوسری جانب دوڑ لگا دی تھی۔ کھلا دروازہ کھلا ہی رہ گیا تھا۔

تاریکی بڑھنے لگی تھی۔ اچانک اس کا پاؤں کسی خاردار چیز میں الجھا تھا۔ اور وہ منہ کے بل کچرے کے ڈھیر میں جا گرا تھا۔ تیز بدبو اس کے ناک اور منہ میں گھسنے لگی تھی۔ اس کے روم روم پہ قابض ہونے لگی تھی۔ وہ مارے اذیت اور کراہیت کے چلا اٹھا تھا۔

"بچاؤ!"

اٹھارہ گھنٹے سے بے سدھ پڑے سیم کی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئی تھیں۔ اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ جبکہ ہونٹ بالکل سوکھے پڑے تھے۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے بے قراری سے اپنے سر کو جنبش دینا چاہی تھی۔ لیکن اس کوشش میں بے اختیار کراہ اس کے لبوں سے نکل گئی تھی۔

اس کی آواز پہ اپنے کام میں مصروف نرس نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا۔ اور اسے ہوش میں دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے قریب چلی آئی تھی۔

"مجھے۔ مجھے نکالو یہاں سے۔ یہاں۔ یہاں بہت بدبو ہے۔" ہر طرح کی پہچان سے عاری' خالی نظریں اس کے چہرے پر جمائے وہ نحیف لیکن متوحش آواز میں بولا تو نرس نے تسلی آمیز انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ریلیکس مسٹر سیم۔"

"یہ غلاظت مجھے گندہ کر رہی ہے۔ وہ دیکھو۔ وہ کتے مجھے نوچ کھائیں گے۔ مم۔ مجھے۔ مجھے یہاں سے نکالو۔ بچاؤ! بچاؤ!" وہ اچانک بے قابو ہو کے زور زور سے چلانے لگا۔

اس کے ہسٹریائی انداز نے نرس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے اس نے سرعت سے آگے بڑھ کے ایمرجنسی بیل کا بٹن دبایا۔ چند ہی سیکنڈ میں ڈیوٹی پہ موجود دو ڈاکٹرز مع اسٹاف کے وہاں بھاگے چلے آئے تھے۔ اس کی بگڑتی حالت کے پیش نظر ڈاکٹرز نے اسے سکون آور انجکشن لگا دیا تھا۔ جس کے زیر اثر وہ تھوڑی ہی دیر میں ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اعصاب شکن تھکن مہر کے اندر اتر آئی تھی۔ وہ چپ چاپ آ کے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ انجم اور زیب اس تمام واقعے سے لاعلم تھیں' سو اس نے انہیں لاعلم رکھنے کا ہی فیصلہ کیا تھا۔ کیا فائدہ تھا انہیں بھی اپنے ساتھ جلانے کا۔

گاڑی کی خاموش فضا میں اس کے بے آواز آنسو قطرہ قطرہ بہتے رہے تھے۔ لیکن اپنے کمرے کی چار دیواری میں پہنچ کر اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

حنان نے کچھ بھی تو غلط نہیں کہا تھا۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے بھلا حقیقت تھوڑی بدل جاتی ہے۔ اور وہ گزشتہ کئی سالوں سے یہی تو کر رہی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ایسا کرتے ہوئے دنیا کی نظر میں وہ کتنی احمق' کتنی قابل رحم لگ رہی تھی۔ مگر وہ پھر بھی ایسا کر رہی تھی۔ زیب کے لیے۔ مما جان کے لیے۔ پاپا کے لیے۔ اور شاید اپنے لیے بھی۔ کہ اس کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

لیکن حنان کے منہ سے یہ سچائی اس کے دل و دماغ پہ کوڑے کی طرح برسی تھی۔ کیونکہ یہ وہ شخص تھا جس کے سامنے وہ اپنا بھرم ہر حال میں قائم رکھنا چاہتی تھی۔ پھر چاہے ساری دنیا کتنی باتیں کیوں نہ بنا لیتی۔ لیکن یہ ایک شخص کبھی نہیں!

صابن سے اپنا ہاتھ مل مل کے دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں سے نہ تو آنسو رک رہے تھے اور نہ ہی ہاتھ کی پشت پہ سے ان لبوں کا احساس مٹ رہا تھا۔ آنسو، پانی، جھاگ تینوں چیزیں اکٹھی سنک میں بہہ رہی تھیں۔ ہاتھ کی جلد سرخ ہوگئی تھی۔ لیکن اس کی بے قراری کو چین نہیں آرہا تھا۔ اور آتا بھی کیونکر۔ اسے کوئی ایک تو نہیں بلکہ کئی نقصان مل کر رلا رہے تھے۔ وہ نقصان جن کا گھوم پھر کر سارا خسارہ صرف اس کے حصے میں آیا تھا۔ اور وہ اس خسارے کو برداشت کرتے کرتے اب نڈھال ہوگئی تھی۔

اپنے تھکے ہوئے وجود کو گھسیٹتی وہ بیڈ پہ آکے گر گئی تھی۔ اس کا دل شدت سے اس پل ان تمام اذیتوں سے فرار کا خواہش مند تھا۔ مگر چونکہ اسے بہلانے کا کوئی سامان اس کے پاس نہ تھا۔ اس لیے وہ ابراہیم صاحب کے کمرے سے جاکر نیند کی ایک گولی لے آئی تھی۔

پانی کے ساتھ اس گولی کو نگلتے ہوئے اسے مہر احمد کے اس انجام پہ بے اختیار رونا آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا آپ یقین سے کہہ رہے ہیں مسٹر سیم! کہ یہی سب کچھ ہوا تھا؟" آفیسر نے اس کا بیان قلم بند کرنے کے بعد بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔ جو تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔

"جی۔" وہ بنا کسی تاثر کے دھیرے سے بولا تو آفیسر نے اس کے پاس کھڑے مارک کو دیکھتے ہوئے کندھوں کو خفیف سی جنبش دی۔

"اس صورت میں تو کسی کے خلاف کوئی پرچہ نہیں بنتا۔" اور مارک جو اتنی دیر سے سیم کی کہانی سن رہا تھا، بے اختیار اپنا غصہ دبا کر رہ گیا۔ وہ ایک سو ایک فیصد جانتا تھا کہ سیم غلط بیانی کر رہا ہے۔

"آپ کی گاڑی انشورڈ تھی؟" پولیس آفیسر نے ایک بار پھر سیم کی جانب دیکھا۔

"جی۔"

"چلیں پھر۔ خدا آپ کو جلد صحت یاب کرے۔" وہ اسے وش کرتا، کمرے سے باہر نکل گیا، مارک جیسے پھٹ پڑا۔

"تم نے آفیسر سے جھوٹ کیوں بولا۔"

"میری مرضی۔" اس کی طرف دیکھے بنا جواب دیا۔ مارک کا دماغ گھوم گیا۔

"سیم! مجھے مزید پاگل مت کرو۔ تم نہیں جانتے، میں نے یہ دو دن کس ذہنی اذیت میں مبتلا رہ کر تمہارے ہوش و حواس بحال ہوجانے کا انتظار کیا ہے۔"

"جانتا ہوں۔"

"تو پھر تم بتاتے کیوں نہیں کہ تم اس رات اس علاقے میں کیا کر رہے تھے؟" وہ جھنجلا کر بولا تو سیم کے وجود سے تعفن کا وہ کرب ناک احساس پھر سے لپٹنے لگا۔

بے اختیار مٹھیاں بھینچے اس نے اپنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

"پلیز مارک؟ مجھے پریشان مت کرو!" اور مارک اسے بے بس نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔ تب ہی موبائل کی بیل نے اس کا دھیان اپنی جانب کھینچ لیا۔ اسکرین پر جوزفین کا نام دیکھ کے اس نے فون کان سے لگا لیا۔

"سنا تم نے اس شخص کا کارنامہ۔ آفیسر کو بیان دیا ہے کہ میں ایک پرانے دوست کو ڈھونڈنے اس علاقے میں گیا تھا۔ جب اس گلی میں، مجھے کچھ غنڈوں نے گھیر لیا اور مار پیٹ کرنے کے بعد میری قیمتی چیزیں چھین لیں۔" اس کی "ہیلو" کے جواب میں وہ کھولتے لہجے میں بولا تو آنکھیں موندے سیم نے بے اختیار اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا۔ وہ اسے کیسے بتاتا

کہ یہ ذکر اس کے لیے کتنی ذہنی اذیت کا باعث بن رہا تھا۔

"کیا فضول بات کر رہی ہو۔ کیا میں نہیں جانتا کہ اس کے کتنے دوست اس کلاس سے بی لانگ کرتے ہیں؟ ویسے بھی میرے پوچھنے پہ بتا چکا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔" اس نے ایک پتی نگاہ سامنے لیٹے سیم پہ ڈالی۔

"مجھے کیا معلوم 'ایسا کیوں کر رہا ہے' میں تو خود پریشان ہو کر رہ گیا ہوں۔" وہ لحظہ بھر کو رک کر جوزفین کی بات سننے کے بعد گویا ہوا۔

"اچھا یاد آیا۔ تم سیم کے لیے گیسٹ روم تیار کر دینا۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ وہ کل چیک اپ کے بعد...."

"کل یا پرسوں۔ میں تمہاری طرف نہیں جاؤں گا۔" وہ آنکھیں بند کیے اس کی بات کاٹ کر بولا۔ تو مارک نے غصے سے اس کی جانب دیکھا۔

"تو کہاں جاؤ گے؟"

"اپنے گھر۔"

"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ وہاں کون تمہارا خیال رکھے گا؟" مارک نے اب کے اپنے غصے کو ایک طرف رکھتے ہوئے تحمل سے کام لیا۔

"میں کرلوں گا مینیج.... تم جانتے ہو' مجھے کسی کی پرسنل لائف ڈسٹرب کرنا پسند نہیں۔" اب کے وہ آنکھوں پر سے بازو ہٹاتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے کی قطعیت' مارک کو اک گہری سانس لینے پہ مجبور کر گئی۔

"وہ نہیں مان رہا۔ تم ایسا کرنا آفس سے واپسی پہ سیم کے گھر کی ایکسٹرا چابی گھر جاکے اٹھا لینا اور وہاں جاکے گروسری وغیرہ چیک کر لینا۔" اس نے جوزفین سے کہتے ہوئے پرسوچ نظروں سے سیم کو دیکھا اور ایک آدھ مزید بات کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

"تم جانتے ہو! تم ضدی اور من مانی کرنے والے تو پہلے ہی تھے' لیکن اس ایکسیڈنٹ کے بعد سے تو تمہارا رویہ بہت عجیب ہو گیا ہے۔" اس پر نظریں جمائے وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا' سیم کے سرہانے آکھڑا ہوا تو وہ اک بوجھل سانس لیتا چہرہ جھکا گیا۔

"کیا بات ہے سیم' سب ٹھیک تو ہے نا؟" اس کی خاموشی مارک کو تشویش میں مبتلا کر گئی تھی۔ یہ خاموشی اس کی آزاد' شوخ و شنگ اور سیمابی طبیعت کے بالکل برعکس تھی۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ سب ٹھیک ہے یا نہیں۔" وہ دل گرفتی سے فقط اتنا ہی کہہ پایا تھا۔ اپنے اندر اتر آنے والے خوف کو فی الوقت زباں دینے کا اس میں حوصلہ نہ تھا۔

"کیا مطلب؟" مارک نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کوئی مطلب نہیں.... میں خود نہیں جانتا' مجھے کیا ہو رہا ہے۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے پھر سے آنکھوں پہ بازو رکھ لیے۔ اس کے ناقابل فہم انداز نے مارک کو پریشان کر دیا۔ وہ کتنے ہی پل اسے الجھی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے ڈاکٹر سے ڈسکس کرنے کے ارادے سے باہر نکل گیا۔

اس کی غیر موجودگی کے احساس پہ سیم نے آہستگی سے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس کی بجھی بجھی سی خالی نگاہیں بے تاثر انداز میں سامنے دیوار پہ جا ٹھہری تھیں.... سفید' سیدھی اور سپاٹ دیوار۔ نجانے کیوں اس کمرے اور اس بستر پہ آکے زندگی یک لخت ساکت ہو گئی تھی۔ یوں جیسے وہ کسی "رولر کوسٹر" سے اچانک نیچے اتر آیا ہو' جو اسے لیے اوپر' نیچے' دائیں بائیں بھاگی چلی جا رہی تھی' تیز اور تیز بہت تیز!

اور اب جو یہ شور مچاتا غوطے کھاتا سفر ایک جھٹکے سے رکا تھا تو وہ خود بھی بھونچکا سا رہ گیا تھا۔ واہموں اور اندیشوں میں گھرا۔ ایک دم اکیلا۔ حالانکہ اس کی زندگی کا محور و مرکز تو ہمیشہ سے صرف اس کی اپنی ذات ہی رہی تھی۔ پھر ایسے میں اس زندگی میں یکا یک یہ تنہائی کا احساس کہاں سے اتر آیا تھا۔ وہ حیران تھا.... بہت حیران۔

وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا جس کی انہوں

نے بڑے بھرپور انداز میں پرورش کی تھی اور یہ اس کے نزدیک ان کا کوئی احسان نہ تھا' اس کا باپ ایک دولت مند انسان تھا سو اگر انہوں نے اسے زندگی کی ہر آسائش مہیا کی تھی تو کوئی انوکھا کام نہیں کیا تھا۔ رہا ان کا پیار و محبت تو وہ بھی ایک قدرتی امر تھا جس کے بدلے میں اس نے بھی انہیں چاہا تھا۔ پھر بھلا وہ اب اور کیا کرتا؟ کیا اس کی اپنی کوئی زندگی' کوئی خواہشات نہ تھیں؟

وہ آگے بڑھا تھا اور اپنی ترجیحات کے مطابق آگے بڑھا تھا۔ دولت کو اس نے اپنی زندگی میں اولین ترجیح پہ رکھا تھا' جس کی طاقت اور اہمیت سے وہ ہمیشہ بہ خوبی واقف رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ امریکا جیسے ملک میں جو طرز زندگی وہ گزار رہا ہے' وہ فقط اس کے باپ کی جانب سے ملنے والی دولت کے بل پہ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اس نے اپنے دوست مارک کے ساتھ مل کر اپنی ذاتی فرم بنائی تھی جس نے اس پر کامیابی کے نئے دروازے کھول دیے تھے۔ اپنی ذات کے حوالے سے اس کے فیصلے ہمیشہ جوش کے بجائے ہوش پر مبنی رہے تھے اس نے رشتے ناتوں کو کبھی بھی اپنی کمزوری نہیں بننے دیا تھا۔

نتیجتاً" وہ آج اپنی مرضی کی ایک کامیاب اور بھرپور زندگی گزار رہا تھا۔

لیکن اس حادثے نے یکایک اس کی اس کامیاب اور بھرپور زندگی پر سوالیہ نشان کھڑا کر دیا تھا۔ اسے اس خوف سے دوچار کر دیا تھا جس کے بارے میں اس نے آج تک سوچا ہی نہ تھا۔

اس رات کچرے کے ڈھیر پہ صرف وہ ہی نہیں بلکہ خود سے جڑی اس کی بہت سی خوش فہمیاں بھی ڈھیر ہوئی تھیں۔ لوگوں کی ہر طرح کی گندگی نے جب اس کے تن کو بستر کی طرح چھوا تھا اور اس چبھتی ہوئی نہایت تیز بدبو نے جب اس کی ناک اور منہ میں راستہ بنایا تھا۔ تب اسے حقیقی معنوں میں اپنی اوقات اور اپنی طاقت کا احساس ہوا تھا۔ وہ کیا تھا اور حالات اسے لمحوں میں بے بسی کی کس انتہا پر پہنچا سکتے تھے یہ اسے

اس روز پتا چلا تھا اس خوف نے ہوش میں آنے کے بعد اس کے اندر پنجے گاڑ دیے تھے۔ اسے زندگی میں پہلی بار وقت اور حالات سے ڈر لگا تھا۔ اپنی موت سے ڈر لگا تھا۔

وہ مخمل کے بستر پہ پیدا ہوا تھا' لیکن اسی مخمل کے بستر پہ مرتا' یہ ضروری نہیں تھا۔

اس روز اگر اسے اس کچرے کے ڈھیر پہ موت آجاتی یا پھر اس کا بے ہوش وجود ہی چوہوں اور آوارہ کتوں کی خوراک بن جاتا تو کیا ہوتا اس کا؟

کیا وہ اگلی صبح ایک کٹی پھٹی لاوارث لاش کی صورت لوگوں کو ملتا۔ جس سے وہ خوف کھاتے پولیس کے حوالے کر دیتے؟ کیا اس نے اپنا ایسا ہی بھیانک انجام تصور کیا تھا؟ یقیناً" نہیں۔

لیکن خود مختاری اور آزادی کی جس زندگی کا وہ پروردہ تھا۔ اس کا ایک نہ ایک دن اور کہیں نہ کہیں ایسا ہی تنہا اور گمنام خاتمہ ہونا تھا اور یہ ایک طے شدہ بات تھی' مگر اسے اس سفاک حقیقت کا احساس زخمی حالت میں اس بستر پر پہنچنے کے بعد ہوا تھا اور اس جان لیوا احساس نے اس کے اندر سے سود و زیاں کے ہر حساب کو ختم کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس وجہ کو بھی فراموش کر گیا تھا جو اس حادثے کا سبب بنی تھی۔ اس رات وہ وہاں کیسے پہنچا تھا اور اس کے ساتھ کیا ہوا تھا ہر بات' ہر چیز بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔

اس کی زندگی کی ترجیحات نے یکایک جیسے پلٹا کھایا تھا۔ امارت' اسٹائل' دوست' عورت اس فہرست میں کہیں نیچے چلی گئی تھیں۔ اور ان سب پہ حاوی ہو گیا تھا۔ فقط ایک موت کا احساس۔ موت۔ جو اپنے شکار کو مہلت نہیں دیتی۔ موت۔ جس کا ذائقہ سب نے چکھنا ہے۔

☼ ☼ ☼

"تم نے مجھے پایا ہی کس دن تھا۔۔۔؟ تم میری زندگی کا ناسور ہو۔۔۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں' شدید نفرت!" آئینے کے سامنے کھڑے حنان نے پرفسوم

اسپرے کر کے بوتل زور سے ڈریسنگ ٹیبل پہ پٹخی تھی۔

"ٹھیک ہے مہر صاحبہ! آج اس آنکھ مچولی کا بھی اختتام کرتے ہیں۔" اس نے ایک آخری نظر خود پہ ڈالی اور مطمئن سا کمرے سے نکل کر نیچے ڈائننگ روم کی طرف چلا آیا تھا۔ جہاں اس وقت سب ہی گھر والے ناشتا کرنے میں مصروف تھے۔

"السلام علیکم!" سب کو سلام کرتا وہ باپ کے بائیں جانب اپنی مخصوص کرسی کی طرف بڑھا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسے ہو بیٹا؟" صغیر صاحب نے اخبار پہ سے نظریں ہٹاتے ہوئے بیٹے کو دیکھا۔

"فائن۔ ڈیڈی' میں کل ڈیل فائنل کر کے آیا تھا۔ آپ یہ مت سمجھیے گا کہ سرپرائز کے چکر میں' میں کام کسی اور کے ذمے چھوڑ آیا ہوں۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولا تو صغیر صاحب مسکرا دیے۔

"تمہیں مجھ سے بہت سے گلے سہی' لیکن تمہارے پروفیشنل ازم پر میں نے کبھی شک نہیں کیا۔"

"چلیں شکر ہے۔ آپ کو میری کوئی ادا تو بھائی۔" اس نے سلائس پلیٹ میں رکھا۔

"اوں ہوں۔ صبح صبح کوئی تلخ بات نہیں۔" نوریہ نے نرمی سے ٹوکتے ہوئے بھائی کے لیے پلیٹ میں انڈہ نکالا۔

"کل مہر نظر نہیں آئی مجھے۔ کیا اس نے فنکشن اٹینڈ نہیں کیا؟" اس نے ایک نظر چائے بناتی زیب بیگم پہ ڈالتے ہوئے نوریہ کی جانب دیکھا۔ اس کے منہ سے مہر کا نام سن کے حسب توقع زیب کا چہرہ تن گیا۔ جسے حنان نے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خاصا حظ اٹھایا تھا۔

"نہیں ایسا ہو سکتا ہے بھلا؟ جاشی کو' آپی اور میں نے ہی مل کر تیار کیا تھا۔" نوریہ کے جواب پر اس نے چونکنے کا تاثر دیا۔

"اچھا! تو پھر وہ مجھے نظر کیوں نہیں آئی؟"

"اس کے سر میں درد تھا۔ اس لیے وہ جلدی چلی گئی تھی۔" جواب نوریہ کے بجائے زیب بیگم کی طرف سے آیا تو حنان کی سرد نگاہیں ان کی پرتپش نگاہوں سے جا ٹکرائیں۔

"جلدی چلی گئی تھی یا بھیج دی گئی تھی؟" اس کے استہزائیہ انداز نے زیب بیگم کو اندر ہی اندر خائف کر دیا۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے ایک اچٹتی نظر صغیر صاحب پہ ڈالی۔ حنان انہیں کوئی جواب دیے بنا باپ کی جانب رخ پھیر گیا۔

"پتا نہیں' آپ لوگوں نے محسوس کیا ہے یا نہیں' لیکن مجھے لگتا ہے انجم آنٹی کو مہر کا یہاں زیادہ آنا پسند نہیں۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟" صغیر صاحب نے الجھ کر بیوی کی جانب دیکھا۔ جو خود بھی حنان کی اس بات سے پریشان ہو گئی تھیں۔ جائشہ اور نوریہ بھی ہاتھ روکے بھائی کی طرف متوجہ تھیں۔"

"ایسا ہی ہو رہا ہے۔ ان فیکٹ مجھے تو مہر بھی ڈپریشن کا شکار لگنے لگی ہے۔" وہ اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے بولا تو صغیر صاحب پریشان ہو گئے۔

"ہو سکتا ہے بیٹا! آخر وہ بھی تو انسان ہی ہے۔"

"تو آپ لوگ اس مسئلے کو حل کیوں نہیں کرتے؟" اور زیب لمحے میں بھانپ گئیں کہ وہ کس ارادے کے تحت یہ ساری گفتگو کر رہا تھا۔

اگر صغیر قاضی اور دونوں بچیاں وہاں موجود نہ ہوتیں تو وہ اس لڑکے کا دماغ ٹھکانے لگا دیتیں۔ اندر ہی اندر کھولتے ہوئے انہوں نے "فوراً" سے پیشتر مداخلت ضروری سمجھی تھی۔

"وہ اپنے مسئلے خود حل کر سکتے ہیں۔"

"آپ شاید بھول رہی ہیں' یہ ہمارا بھی مسئلہ ہے۔ رہیں انجم آنٹی اور ابراہیم انکل تو ان لوگوں کی نیت اگر حل کرنے کی ہوتی تو بہت پہلے اس معاملے کو حل کر چکے ہوتے۔" حنان نے پلٹ کر جتایا تو زیب نا چاہتے ہوئے بھی خاموش ہو گئیں۔ ان کی خاموشی پر حنان کی آنکھوں میں کاٹ دار سی چمک بھر گئی۔ جسے

زیب بیگم کے سوا وہاں بیٹھا کوئی بھی شخص محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ مارے ضبط کے ان کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے۔

"ویسے اگر دیکھا جائے زیبی! تو حنان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں اب اس بارے میں آپا اور بھائی جان سے بات کرنا چاہیے۔" اور باپ کی بات پہ حنان کا دل چاہا تھا کہ وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑے۔ اس کی تمسخر اڑاتی نظریں بے اختیار زیب بیگم کی جانب اٹھی تھیں۔ جنہیں انہوں نے کمال حوصلے سے نظرانداز کر دیا تھا۔

"کوئی فائدہ نہیں صغیر صاحب! مہر اس معاملے میں کچھ بھی سننے کو تیار نہیں۔"

"وہ بچی ہے زیبی اور ابھی اتنی دور اندیش نہیں ہوئی کہ اس کے فیصلوں کو ہم حتمی مان کر خاموش بیٹھے رہیں۔" وہ قدرے خفگی سے گویا ہوئے تو زیب گہری سانس لیتے ہوئے بولیں۔

"چلیں ٹھیک ہے۔ نہیں مانتے اس کی بات، لیکن آپ نے سوچا ہے اس زور زبردستی کا کیا نتیجہ نکلے گا؟"

"جو بھی نکلے گا، موجودہ صورت حال سے تو بہتر ہی ہو گا۔" انہوں نے چائے کی پیالی اپنی جانب سرکائی۔

"تم آج آپا کو انفارم کر دینا کہ کل ہم ان کی طرف چکر لگائیں گے۔ اس کے علاوہ کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو بھی بات ہو گی روبرو ہو گی۔" ان کے حتمی لہجے پہ زیب بیگم نے پریشان نظروں سے شوہر کی جانب دیکھا تھا۔

جبکہ حنان کا دل اپنی اس فتح پہ اندر تک سرشار ہو گیا تھا۔ بات نے بہت جلدی اور بہت آسانی سے اس کی مرضی کا رخ لے لیا تھا اس نے ایک فاتحانہ نگاہ زیب بیگم کے مضطرب چہرے پر ڈالی اور لبوں پہ در آنے والی کاٹ دار مسکراہٹ کا گلا گھونٹنے کو چائے کا کپ اٹھا کے لبوں سے لگا لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر نے سیم کی ذہنی حالت کو اس کے ساتھ پیش آنے والے حادثے سے منسوب کرتے ہوئے ذہنی دباؤ کا نتیجہ قرار دیا تھا جو اس کے بقول رفتہ رفتہ ہی زائل ہوتا۔ ڈاکٹر کی بات سے مارک کو خاصا اطمینان ہوا تھا۔ وہ تھوڑی دیر مزید اسپتال میں ٹھہرنے کے بعد آفس چلا آیا تھا۔

سیم کی غیر موجودگی کے باعث کام کا سارا بوجھ اس پہ آپڑا تھا۔ وہ ان ڈھائی، تین دنوں میں اسپتال اور دفتر کے درمیان حقیقتاً "گھن چکر" بن کے رہ گیا تھا، لیکن اس کے باوجود اس کے ماتھے پہ شکن تک نہ آئی تھی۔ وجہ اس کی حد سے زیادہ پر خلوص اور نرم طبیعت تھی۔ وہ خود سے جڑے سب ہی لوگوں کا جن میں اس کے دوست بھی شامل تھے خیال رکھنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا تھا۔

اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے مغرب کے سرد سینے میں مشرقی اقدار نے پرحدت الاؤ روشن کر دیا ہے۔

اس کی اس درجہ جذباتی طبیعت کا سیم اکثر مذاق اڑایا کرتا تھا، لیکن وہ برا مانے بغیر مسکرا دیا کرتا تھا۔ ابھی بھی وہ کام کرتے ہوئے مسلسل اسی نقطے پر سوچ رہا تھا کہ آیا اسے اس حادثے کے بارے میں سیم کے والدین کو آگاہ کرنا چاہیے یا نہیں، جب اس کے سیل پہ آنے والی جوزفین کی کال نے اس کا دھیان بٹا دیا تھا۔

"ہاں جوزی! کہو۔"

"میکی! تم جلدی سے سیم کے گھر پہنچو۔ یہاں بہت گڑبڑ ہو گئی ہے۔" جوزفین کی گھبرائی ہوئی آواز نے مارک کو پریشان کر دیا تھا۔

"کیسی گڑبڑ؟" اس نے متفکر لہجے میں سوال کیا۔

"مارک! یہاں۔ یہاں چوری ہو گئی ہے۔"

"کیا؟" وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپا! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب کیا ہو گا۔ اگر بھائی جان نے بھی صغیر صاحب کی تائید کی تو ہم کیا کریں گے؟" روتی ہوئی زیب نے بے اختیار اپنا سر تھام لیا۔

صغیر قاضی اور حنان کی دفتر روانگی کے بعد زیب ہائی بلڈ پریشر کا بہانہ کیے کمرے میں چلی آئی تھیں۔ اندر آنے کے بعد انہوں نے ملازمہ سے کارڈلیس منگوا کر بہن کو فون ملایا تھا اور صغیر صاحب کے پیغام سے لے کر پوری بات ان کے گوش گزار کردی تھی۔

"اگر نہیں۔ وہ یہی کریں گے۔ میں جانتی ہوں۔" انجم دل گرفتہ لہجے میں بولیں تو زیب بیگم رونا بھول گئیں۔

"ہائے آپا! اب پھر ہم کیا کریں؟" ان کی پریشانی سوا ہوگئی تھی۔ انجم نے بے اختیار ایک گہری سانس لی۔

"کرنا کیا ہے۔ ہم مکمل طور پر بے بس ہیں زیبی! سچ پوچھو تو میرے پاس صغیر کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں۔"

"تو پھر کل کیا ہوگا؟" ان کے آنسو پھر سے بہہ نکلے۔

"اللہ جانے۔" بوجھل انداز میں کہتی وہ پل بھر کو رکیں۔

"ویسے زیبی! اگر دیکھا جائے تو اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو نکالنا ہی پڑے گا۔ ہم کب تک آنکھوں پر پٹی باندھے' حقیقت کو نظر انداز کرتے رہیں گے۔" انہوں نے انتہائی حوصلے سے بہن کو سمجھایا۔

"آپ کا کیا خیال ہے' کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ مہر کی ہر تکلیف کا خاتمہ ہو جائے؟" انہوں نے دوپٹے سے آنسو صاف کیے۔

"لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ یہ بھی تو سوچیں۔"

"ہونا کیا ہے۔ اگر حنان' مہر سے اتنی ہی محبت کا دعوے دار ہے تو ٹھیک ہے' اسے بھی آزما لیتے ہیں۔" وہ دھیرے سے بولیں تو زیب تلخی سے مسکرادیں۔

"یہ محبت نہیں صرف ضد ہے۔ زیر کرنے کی ہوس ہے اور آپ یہ بات اچھی طرح سے جانتی ہیں۔ برسوں کے آزمائے ہوئے کو بھلا کیا آزمانا آپا۔۔۔ اور مہر' آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اس کے لیے مان جائے گی؟ وہ تو اس کے سائے تک سے دور بھاگتی ہے۔ وہ کبھی بھی حنان کے لیے راضی نہیں ہوگی۔" ان کی بات پر انجم بیگم کو تھکن اپنے روم روم میں اترتی محسوس ہوئی۔

"زندگی' اس عمر میں آکے اتنی تلخ' اتنی مشقت بھری ہو جائے گی۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ زیبی نجانے اللہ نے ہم دونوں بہنوں کی قسمت میں اولاد کا سکھ کیوں نہیں لکھا؟" ان کے دل گرفتہ لہجے پر زیب بیگم کی آنکھیں نئے سرے سے بھر آئیں۔

"میں اگر حنان کے آج کے عمل دخل اور کوشش کو ایک طرف رکھ دوں۔ تب بھی صغیر نے ایک نہ ایک دن تو یہ سوال اٹھانے ہی ہیں' پھر کیوں نہ ابھی سہی۔ تم آنے دو اسے' دیکھتے ہیں کل ابراہیم کیا جواب دیتے ہیں۔"

"اور مہر؟" زیب کو فکر لاحق ہوئی۔

"اسے میں فی الوقت پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ بات تو ویسے بھی ہم چاروں کے درمیان ہی ہونی ہے۔"

"لیکن میں آج حنان سے ضرور بات کروں گی۔" زیب کے تصور میں اس کا سرشار چہرہ اور جتاتی نظریں گھومیں تو ان کا غصہ پھر سے تازہ ہوگیا۔

"کیا فائدہ۔ کیوں اپنا خون جلاتی ہو۔" انجم بیگم نے سمجھانا چاہا۔

"نہیں آپا۔ آج جو اس لڑکے نے کیا ہے' اس کے بعد مجھے ہر حال میں اس سے بات کرنی ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" ان کے قطعی لہجے پہ وہ فقط اتنا ہی کہہ پائی تھیں۔

✲ ✲ ✲

سیم کے بیڈ روم میں' مارک گنگ سا دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی بے خبری پہ خود کو کوسے یا سیم کے راز داری برتنے پر اس سے سوال کرے۔

دھیرے سے سر اٹھاتے ہوئے اس نے بے یقینی سے ایک بار پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھے فوٹو فریم کی طرف دیکھا اور اس کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے تھے۔

جوزفین کی کال سننے کے بعد وہ اندھا دھند گاڑی

دوڑاتا سیم کے اپارٹمنٹ پہنچا تھا۔ طرح طرح کے واہمے اور وسوسے سارا راستہ اسے پریشان کرتے رہے تھے۔۔۔ یہ سب آخر ہو کیا رہا تھا؟

جوزی اسے پریشانی کے عالم میں اپارٹمنٹ کے باہر ہی ٹہلتی نظر آئی مارک کو دیکھ کر وہ بے اختیار اس کی جانب لپکی تھی۔ جوزفین کا ہاتھ تھامے وہ گھر کے اندر چلا آیا تھا۔ اس کی توقع کے برعکس اندر کسی قسم کی کوئی بے ترتیبی نہ تھی بلکہ پہلی نظر میں کہیں کسی گڑبڑ کے آثار نہ تھے' مگر جوزفین کے بتانے پر اسے بہت سی قیمتی چیزیں اپنی جگہ سے غائب نظر آنے لگی تھیں۔

کام واقعی نہایت اطمینان اور طریقے سے کیا گیا تھا۔ یوں جیسے آنے والے کو سیم کی اچانک آمد کا کوئی دھڑکا نہ ہو۔ تو کیا چور یہ جانتا تھا کہ سیم زخمی ہے یا زخمی حالت میں اسپتال میں پڑا ہے؟ اور کیا یہ ممکن تھا کہ سیم کے ساتھ ہونے والے حادثے اور گھر میں ہونے والی چوری کے پیچھے ایک ہی شخصیت ملوث تھی؟ اس خیال نے مارک کو چونکا دیا تھا۔

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ سیم کے بیڈ روم کی جانب بھاگا تھا تاکہ اس کی الماری میں موجود لاکر کو چیک کرسکے' ناسمجھی کے عالم میں جوزفین بھی اس کے پیچھے لپکی تھی۔ ڈریسنگ روم میں موجود دیوار گیر الماری کھول کر اس نے لاکر کو چھوا تھا اور وہاں آٹومیٹک کوڈ والا سسٹم دیکھ کے اس نے بے اختیار اطمینان بھری گہری سانس لی تھی۔

"شکر ہے' یہ تو محفوظ رہا۔" جوزفین نے بھی شکر کا کلمہ ادا کیا۔ مارک اب ایک ایک کر کے باقی خانے اور دراز کھول کے دیکھ رہا تھا۔

"اب ان میں سے کیا کچھ غائب ہے' یہ تو سیم ہی بتا سکتا ہے۔" جوزفین نے کہتے ہوئے آگے بڑھ کر الماری کا آخری پٹ کھولا۔

"آں۔۔۔ یہ کس کے کپڑے ہیں؟" ترتیب سے لٹکے لیڈیز ڈریسز کو دیکھتے ہوئے وہ ایک پل کے لیے ٹھٹک گئی تھی۔ اس کی بات پہ مارک سب کچھ چھوڑ چھاڑ اس کے پیچھے آکھڑا ہوا اور بغور سامنے لٹکے کپڑوں کو دیکھنے لگا۔

"کیا پتا سوزی کے ہوں۔" اس نے خیال آرائی کی۔

"سوزی کے؟ اور اتنے سستے سے کپڑے۔" جوزفین نے پلٹ کر اسے دیکھا اور ہاتھ بڑھا کے ایک شرٹ کی آستین اونچی کرتے ہوئے مارک کو دکھائی۔

"تو پھر یہ کس کے ہوسکتے ہیں؟" مارک کی آنکھوں میں الجھن در آئی۔ اس نے جوزفین کو ایک طرف کیا اور آگے بڑھ کے اندر موجود دیگر خانوں کو کھنگالنے لگا' مگر سوائے ایک ٹوٹے ہوئے پرس اور دو جوڑی سستے سے استعمال شدہ جوتوں کے وہاں اور کچھ نہ تھا۔ اس دوران جوزفین اندر بیڈ روم میں جاچکی تھی۔

"مارک! جلدی ادھر آؤ!" چند لمحوں بعد اسے جوزی کی پکار سنائی دی تو وہ تیزی سے کمرے کی جانب پلٹا جہاں جوزفین سائیڈ ٹیبل کے پاس ہاتھ میں فوٹو فریم لیے کھڑی تھی۔

"یہ سیم کے ساتھ کون ہے؟" اور مارک نے آگے بڑھ کے فریم اس کے ہاتھ سے لے لیا جس میں ایک مسکراتا ہوا گندمی چہرہ' سیاہ چمکتے بالوں کے درمیان' سیم کے شانے سے ٹکا ہوا تھا۔ اس چہرے کو دیکھتے ہوئے مارک کی آنکھیں بے اختیاری کے عالم میں پھیل گئی تھیں اور اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"یہ۔ یہ تو۔۔۔"

☼ ☼ ☼

"ہائے! بیوٹی فل۔" سامنے موجود چہرے کو خمار آلود نگاہوں سے تکتے ہوئے وہ اس کی جانب جھکا تو اس کے برابر کھڑے مارک نے بے اختیار اس کا بازو تھام لیا۔

"سیم!" اس کی تنبیہی پکار پہ گلاس ہاتھ میں تھامے کھڑے سیم نے بدمزگی سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا سیم؟ دیکھ نہیں رہے' ہمارے سامنے کیسی حسین خاتون کھڑی ہیں۔" اور اس کی اس برملا تعریف

پہ جہاں مقابل کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہیں مارک ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے سامنے کھڑی لڑکی کو جانے کے لیے کہا۔ تو وہ مسکراہٹ دباتی وہاں سے ہٹ گئی۔

"تم بھی نا کتنے بدذوق آدمی ہو۔ آج تو جوزی بھی تمہارے ساتھ نہیں۔" سیم نے ایک بڑے سے گھونٹ میں گلاس ختم کرتے ہوئے پاس سے گزرتے ویٹر کو تھمایا۔

"مارٹنی۔" اس کے نئے آرڈر پہ مارک نے بے اختیار اسے گھورا۔

"تم غالباً" اس پارٹی کے میزبان ہو۔" مارک نے جتایا۔

"تو؟"

"تو یہ کہ کچھ تو حواس قائم رہنے دو۔" اور مارک کے یوں جل کر کہنے پہ وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

"جیسے مہمان ویسا میزبان۔ یہ میری فریڈم پارٹی ہے اور میں یہاں پوری آزادی سے انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ صرف انجوائے!" وہ اپنی بات کر کے ایک طرف بنائے گئے اسپیشل ڈانس فلور کی جانب تھرکتا ہوا بڑھ گیا۔ تو مارک اس کی دیوانگی پر بے اختیار مسکرا دیا۔

آج یہاں شہر کے بہترین ہوٹل میں سیم نے اپنی اور سوزی کی طلاق کی خوشی میں اپنے تمام دوستوں کو بہت بڑی پارٹی دی تھی۔

ڈھائی سال قبل ان دونوں کے متعلق کبھی کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ محض تیس ماہ بعد ان کی اس طوفانی محبت کا اختتام اس نقطے پر آ کے ہوگا۔

سوزی، سیم کے دل کو اور سیم، سوزی کے دل کو ایسا اور اس حد تک بھایا تھا کہ دونوں نے اپنی فیملیز کے خلاف جا کے ایک دوسرے سے شادی کرلی تھی۔ شادی کے بعد دونوں نے بڑے بھرپور محبت بھرے انداز میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا تھا، لیکن پھر۔ پھر وہی ہوا تھا جو اس سرد معاشرے میں ہوتا آیا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی محبت اپنی رعنائی کھونے لگی تھی۔ دونوں کا دل ایک دوسرے سے بھرنے لگا تھا اور دونوں نے ہی اپنی دلچسپیوں کے نئے سامان ڈھونڈ لیے تھے، یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے جان چھڑانے کے شدت سے خواہش مند ہو گئے تھے، مگر مسئلہ یہ تھا کہ طلاق کی صورت میں سیم کو یہاں کے قوانین کے مطابق اپنی ساری جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑتے۔ جو اسے کسی طور منظور نہ تھا۔ رات دن کی سوچ بچار اور وکیل کے مشورے سے سیم کو ایک حل سوجھ ہی گیا۔ اس نے نہایت ہوشیاری سے اور مارک کے بھروسے پر، غیر قانونی ڈاکومنٹس بنوا کر عدالت میں خود کو مارک کا مقروض ظاہر کردیا۔ یوں سوزی کے ہاتھ سوائے آزادی کے پروانے کے اور کچھ نہ آسکا اور سیم اپنی دوہری کامیابی کے نشے میں خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کی زندگی سے سوزی نام کی پریشانی بغیر کسی نقصان کے دور ہو گئی تھی اسے فی الوقت اور کیا چاہیے تھا؟

اپنی اسی کامیابی کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے اس نے اپنے دوستوں کی فرمائش پہ آج شہر کے مشہور ہوٹل میں، پول سائیڈ پر بہترین پرائیویٹ پارٹی ارینج کروائی تھی۔ جہاں مہمانوں کی تفریح کے لیے شراب اور شباب دونوں کی کمی نہ تھی۔ نتیجتاً" اس وقت ہوٹل کے پول ایریا میں رونق اپنے عروج پر تھی۔ فلک شگاف میوزک اور جلتی بجھتی لائٹوں کے درمیان کئی جوڑے ایک طرف بنائے گئے خاص ڈانس فلور پہ محو رقص تھے۔ جوزفین چونکہ شہر سے باہر اپنی بہن سے ملنے گئی ہوئی تھی اس لیے وہ سیم کی اس پارٹی میں شریک نہ ہو سکی تھی۔

سیم اپنے کہے کے مطابق ڈانس فلور پہ پوری آزادی سے انجوائے کر رہا تھا۔ اس کی حرکتوں نے جلد ہی مارک کو بھی اس کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور کردیا۔ سب ہی بڑے بھرپور انداز میں کھانے پینے اور خاص طور پر بلوائی گئی ڈانسرز میں مگن تھے۔ ایسے میں ان کے چند دوستوں کو نئی شرارت سوجھی تو انہوں نے مارک کو اٹھا کر پول میں پھینک دیا۔ اس کے بعد تو جیسے وہاں نیا تماشا شروع ہو گیا۔ ایک کے بعد ایک سب ہی پول میں غوطے کھانے لگے۔

پاگلوں کی طرح ہنستا' سیم اپنی باری بھگتا کے ڈگمگاتے قدموں سے پول سے باہر آیا' تو ایک نازک سی لڑکی اس سے آٹکرائی۔

"دیکھ کے ڈارلنگ!" اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے سیم نے نظریں اٹھائیں اور بے اختیار چونک گیا۔

"ارے تم تو وہی خوب صورت خاتون ہو۔" تیکھے نقوش سے سجے گندمی چہرے پر نظریں جمائے' وہ مسکرا کر بولا۔ تو وہ بھی مسکراتی ہوئی سنبھل کر پیچھے ہٹی۔

"جی میں وہی ہوں' مسٹر سیم۔" اور سیم اس کے غیر ملکی لہجے میں اپنا نام سن کے چونک گیا۔

"تم میرا نام کیسے جانتی ہو؟"

"کیونکہ آپ اس پارٹی کے میزبان ہیں اور میں یہاں آپ کی اور آپ کے مہمانوں کی خدمت پر مامور ہوں۔" اس کی بات پر پہلی بار سیم کی نظریں اس کے چہرے سے ہٹ کر اس کے جسم پر سجے ویٹرس کے یونیفارم پر جا ٹھہریں' لیکن محض لمحہ بھر کو۔ اگلے ہی پل وہ دوبارہ اس کے پرکشش چہرے کی جانب لوٹ آئیں۔

"تمہیں کس بے وقوف نے ویٹرس بنایا ہے؟" آنکھوں میں ستائش لیے وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اس کے سفید موتیوں کے سے دانت اور چہرے پر پھیلتی چمک نے سامنے کھڑے سیم کو مبہوت سا کر دیا۔ وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں ایک ٹک اسے دیکھے گیا تو اس کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس کے گمبھیر لہجے پر مقابل کے گالوں پر ہلکی سی سرخی اتر آئی۔

"لورین۔"

"لورین فرام۔۔۔؟" وہ جان گیا تھا کہ وہ امریکن نہ تھی۔

"فرام اسپین۔"

"او کے تو لورین فرام اسپین' کیا تم میرے ساتھ ڈانس کرو گی؟" شوخ نظروں سے اسے تکتے ہوئے سیم نے مسکرا کر اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تو اس کی سیاہ آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

"مگر میں یہاں ڈیوٹی پر۔۔۔"

"تمہاری یہاں ڈیوٹی صرف میری بات ماننا ہے۔ سو بتاؤ' میرے ساتھ ڈانس کرو گی؟" اس کی بات کاٹتے ہوئے سیم نے اپنا سوال دہرایا تو لورین کے پاس مزید انکار کی کوئی وجہ نہ رہی۔ اس نے **جھجکتے** ہوئے سیم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جسے اس نے دھیرے سے لبوں سے لگا کر لورین کے چہرے کو سرخ ہونے پر مجبور کر دیا۔

وہ اسے اپنے ساتھ لیے ڈانسنگ فلور پہ چلا آیا اور سب کی حیرت بھری نظروں کی پروا کیے بنا اس کے ساتھ ڈانس کرنے لگا۔ یہاں تک کہ رات دھیرے دھیرے ڈھلنے لگی' مگر سیم کی بانہوں نے اسے خود سے دور نہ جانے دیا اور جب صبح کے وقت پارٹی اپنے اختتام کو پہنچی تو وہ مدہوش سا لورین کو ساتھ لگائے اپنی شان دار گاڑی میں جا بیٹھا۔ اس وقت پارکنگ میں موجود اس کے سب ہی دوست یہ بات بہ خوبی جانتے تھے کہ دونوں کی منزل فی الوقت ایک ہی ہے۔

☼ ☼ ☼

"مارک! تم صحیح کہتے ہو۔ وہ یہاں شفٹ ہو چکی ہے۔ پورے گھر میں اس کی چیزیں موجود ہیں۔" لاؤنج سے آتی جوزفین کی آواز نے مارک کو ایک گہری سانس لینے پر مجبور کر دیا۔

اس نے سائیڈ ٹیبل پہ دھرے فوٹو فریم پہ سے نظریں ہٹائیں اور بیڈ پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سیم کی اس رازداری نے حقیقتاً" اسے دھچکا پہنچایا تھا۔ جب سے ان دونوں کی دوستی اعتبار کی ایک خاص منزل کو پہنچی تھی۔ انہوں نے کبھی بھی ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔ پھر اس معاملے میں سیم نے ایسا کیوں کیا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر ہونے کے ساتھ ساتھ دل میں دکھی اور جوزفین کے سامنے عجیب سی شرمندگی بھی محسوس کر رہا تھا حالانکہ ساری تفصیل

سننے کے بعد اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی، مگر پھر بھی سیم کی اس حرکت نے اسے اندر ہی اندر نادم کر دیا تھا۔

"صرف چیزیں ہی موجود ہیں۔ وہ محترمہ یہاں سے بھی شفٹ ہو گئی ہیں۔" مارک باہر آیا تو اندر کی تلخی نا چاہتے ہوئے بھی لہجے میں اتر آئی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ سب اسی کا کارنامہ ہے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟" جوزفین نے حیرت سے، غصے میں بھرے شوہر کا چہرہ دیکھا۔

"حد ہے۔ تمہیں وہ یہاں کہیں یا سیم کے اردگرد نظر آ رہی ہے؟"

"لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس چوری میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

"صرف اس چوری میں نہیں بلکہ سیم کے ساتھ ہونے والے حادثے میں بھی اس کا ہاتھ ہے۔" مارک یقین سے بولا تو جوزفین کی آنکھوں میں موجود حیرت دوچند ہو گئی۔

"اگر ایسی بات ہوتی مارک! تو بھلا سیم اس لڑکی کو بخشتا؟ وہ تو ہوش میں آنے کے بعد سب سے پہلے اس کے خلاف رپورٹ لکھواتا۔" جوزفین کی بات پہ مارک ایک پل کو خاموش ہو گیا۔

"تو پھر وہ کہاں ہے؟" اس نے نیا سوال اٹھایا۔

"اب یہ تو سیم ہی بتا سکتا ہے۔" جوزی نے کندھوں کو خفیف سی جنبش دی۔

"اور سیم صاحب منہ سے کچھ پھوٹنے کو تیار نہیں۔" مارے اشتعال کے مارک نے پاس پڑی کرسی کو ٹھوکر لگائی۔

"میں پولیس کو کال کر رہا ہوں۔ میں اس سارے گورکھ دھندے سے تنگ آ چکا ہوں۔" جوزفین کو دیکھتے ہوئے اس نے غصے سے جیب سے سیل نکالا۔

"بہتر ہو گا اگر تم یہ کام نہ کرو۔" جوزفین کے رسان سے کہنے پر اس کا ہاتھ ساکت ہو گیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ یہ ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام صرف سیم کو جا کے مطلع کرنا ہے۔ آگے پولیس کو کال کرنا یا نہ کرنا اس کا ذاتی فیصلہ ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا تو مارک نے ایک گہری سانس لی۔ جوزفین ٹھیک کہہ رہی تھی۔

معاملے کو پولیس تک پہنچانا واقعی ایک بڑا فیصلہ تھا جسے کرنے کا حق صرف سیم کو تھا۔ ویسے بھی جس حد تک رازداری وہ اس سے برت چکا تھا اس کے بعد تو پتا نہیں سیم کو اس کی اس درجہ مداخلت پسند آتی بھی یا نہیں؟

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہمیں سیدھا سیم کے پاس جانا چاہیے۔" اس نے قدرے پرسکون آواز میں کہا تو جوزی نے اطمینان کی سانس لی اور پھر اپنا پرس اٹھائے اس کے ساتھ باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی، جب حنان کی گھر میں آمد ہوئی۔ پورچ میں اس کی گاڑی رکنے کی آواز پر، اپنے کمرے میں اس کی منتظر زیب بیگم نے ایک نظر سوئے ہوئے صغیر صاحب پر ڈالی اور آہستگی سے اٹھ کر باہر چلی آئیں۔ انہوں نے آج سارا دن جس اعصاب شکن کیفیت میں گزارا تھا، وہ اس پل سوا ہو گئی تھی۔

تیز قدموں سے چلتی وہ سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں کہ سامنے موجود داخلی دروازہ کھلا اور حنان نے اپنے دھیان میں اندر قدم رکھا تھا، لیکن جوں ہی اس کی نظر زیب بیگم پر پڑی تھی اس کی بھنویں استہزائیہ انداز میں اوپر اٹھ گئی تھیں اور لبوں پہ بڑی دل جلانے والی مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔ اس نے پلٹ کر اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے لاک لگایا اور اطمینان سے چلتا ان کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم!" جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ پرسکون انداز میں بولا تو زیب کا ضبط جواب دے گیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔ تم یہ تماشا کھڑا کر کے اپنا مقصد

بالوگے؟ میرے صبر کو اتنا مت آزماؤ حنان! کہ میں تمہارے کردار کی اصلیت تمہارے باپ کے سامنے کھولنے پر مجبور ہو جاؤں۔" غصے سے سرخ آنکھیں اس پر جمائے وہ دھیمے، لیکن سرد لہجے میں بولیں تو حنان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"آپ کے جو جی میں آئے وہ کریں، لیکن ایک بات یاد رکھیے گا' آپ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتیں جبکہ میں ہر بات باآسانی مہر سے منسوب کر سکتا ہوں۔" اور اس کی بات پہ زیب بیگم کا دل دھک سے رہ گیا۔

"میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ تم اتنی گری ہوئی بات کر سکتے ہو۔" انہوں نے دکھ میں ڈوبی بے یقین نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا کریں۔ وہ کہتے ہیں نا محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہے۔" اس نے کندھوں کو خفیف سی جنبش دی۔

"مت بھولو حنان! کہ مارنے والے سے بچانے والی ذات ہمیشہ برتر رہی ہے' میں ابھی زندہ ہوں اور میری مرضی کے خلاف، بہر کیف کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"آپ اپنی مرضی کر چکیں۔ اب میری باری ہے۔ دیکھتا ہوں کون میری راہ کھوٹی کرتا ہے۔" ان کی آنکھوں میں دیکھتا وہ دوبدو گویا ہوا۔

"اپنی راہ کھوٹی کرنے والے تم خود ہو۔ تمہارا گندہ کردار ہے۔ کل کو اگر حالات تمہاری مرضی کا رخ لے بھی لیتے ہیں تب بھی مہر کم از کم تمہارے حق میں فیصلہ دینے والی نہیں۔" انہوں نے ہر لحاظ بالائے طاق رکھ کر سچائی کا آئینہ اس کے سامنے رکھ دیا' لیکن وہ بجائے شرمندہ ہونے کے طنزیہ انداز میں مسکرا دیا۔

"یہ آپ کی بھول ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اس لڑکی کو میری ضد مت بنائیں' مگر آپ نے میری بات نہیں سنی۔ اب دیکھیں میں آپ لوگوں کی ہر خوش فہمی کا کیسے خاتمہ کرتا ہوں۔" اس کی بات اور انداز پہ زیب بیگم کا دل اذیت سے بھر گیا۔

"تم میری ہر خوش فہمی کا خاتمہ بہت پہلے کر چکے ہو حنان! کاش کہ تم میری آزمائش بننے کے بجائے میرا مان' میرا فخر بنے ہوتے تو شاید آج وقت کچھ اور ہوتا۔"

"ایسا مان اور فخر بننے سے بہتر ہے کہ میں آپ کی آزمائش بنا رہوں۔ مجھے ویسے بھی غاصبوں سے ہاتھ ملانے کی عادت نہیں" کاٹ دار لہجے میں وہ کہتا آگے بڑھ گیا تھا اور زیب اس کے وار کی سختی پہ اپنا نچلا لب دانتوں سے دبا گئی تھیں۔ ان کی آنکھیں نہ چاہتے ہوئے بھی بھر آئی تھیں۔

"یا اللہ مجھے حوصلہ دے۔ میری مدد فرما میرے مالک!" بہتے اشکوں کے درمیان وہ ہمیشہ کی طرح صرف اپنے رب کو ہی پکار پائی تھیں۔ اس لڑکے کی ہٹ دھرمی اور ان کی قسمت مزید کیا رنگ دکھانے والی تھی۔ ان کا دل یہ سوچ کر ہی ہولنے لگا تھا۔

* * *

رات کا ایک بڑا حصہ گزر چکا تھا' مگر نیند انجم بیگم کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ نہ سوچوں میں کوئی ربط تھا اور نہ دل و دماغ کو یکسوئی حاصل تھی۔ گزرے وقت کی تلخیوں کو یاد کر کے کبھی آنکھیں زار و قطار برسنے لگتی تھیں اور کبھی آنے والے وقت سے جڑے تمام خوف انہیں یوں منجمد کر ڈالتے کہ ان پر وحشت میں ڈوبے بنجر صحرا کا گمان ہونے لگتا۔

دراصل وہ آج تک اپنے فیصلے کے لیے خود کو معاف ہی نہیں کر پائی تھیں اور کرتیں بھی کیسے؟ اولاد کی ہر تکلیف آپ کو نئے سرے سے پچھتاوے کے چرکے لگاتی ہے یوں کہ آپ ساری زندگی کے لیے اپنی ہی نظروں میں مجرم بن جاتے ہیں۔

جرم کا ایسا ہی اذیت ناک احساس دن رات انجم بیگم کو بھی کھائے جا رہا تھا۔ ان کی ایک غلطی نے مہر کی زندگی کو ایسے امتحان سے دوچار کر دیا تھا جس کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔

انہیں آج بھی اس دن کا ایک ایک لمحہ یاد تھا' جب اپنی محبت اور خلوص کے ہاتھوں مجبور ہو کے انہوں نے ایک ایسے کام کے لیے رضامندی دے دی تھی جو وہ جانتی تھیں کہ اتنا مناسب نہ تھا' لیکن یہ بھی ایک

حقیقت تھی کہ اگر آج بھی وقت انہیں اسی جگہ اور ان ہی حالات میں دوبارہ لے جاتا اور ان کے سامنے ان کی بیمار والدہ اپنی ایک بظاہر بے ضرر سی خواہش کا اظہار اسی مان سے کرتیں تو شاید وہ آج بھی ان کی خواہش کا احترام اسی طرح کرتیں جس طرح انہوں نے اس روز کیا تھا' جب اماں جان کا نرم و نحیف ہاتھ ان کے ہاتھ پہ آن ٹھہرا تھا۔

"انجم! میری ایک بات مانو گی؟"

"جی اماں۔" انہوں نے پاس بیٹھی ماں کی جانب محبت سے دیکھا تھا جو محض چند ہی ماہ میں گھل کر آدھی ہو گئی تھیں۔ سچ ہے' اولاد کا غم اچھے اچھوں کو ختم کرکے رکھ دیتا ہے جبکہ وہ تو پہلے ہی ایک ناتواں سی عورت تھیں جنہیں ان کے شریک سفر جوانی میں ہی دو کم سن بچیوں کے ساتھ' دنیا کے سرد و گرم جھیلنے کو تنہا چھوڑ گئے تھے گوکہ ان کی وفات کے بعد اس وضع داری اور انسانیت کے دور میں ان کے مرحوم شوہر کے بہن بھائیوں نے ان کا اور ان کی بچیوں کا بھرپور طریقے سے خیال رکھا تھا' مگر جو مان اور جو بھروسا ایک شوہر اور ایک باپ کی موجودگی میں زندگی پر کیا جاسکتا ہے وہ حاجی صاحب کے ساتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا' لیکن پھر بھی صد شکر تھا کہ ان کی زندگی بہت اچھے اور باوقار انداز میں گزری تھی۔

بڑے ہونے پر انجم کا رشتہ ان کے تایا نے اپنے اکلوتے بیٹے ابراہیم کے لیے مانگ لیا تھا۔ یوں وہ بڑی خوشیوں اور دھوم دھام سے بیاہ کر اپنے تایا کے گھر چلی گئی تھیں۔ ابراہیم جو ویسے ہی اپنی چچی کا اپنی ماں کی طرح احترام کرتے تھے اور زیب کو اپنی چھوٹی بہنوں کی طرح چاہتے تھے' انہوں نے شادی کے بعد نفیسہ بیگم کی زندگی میں صحیح معنوں میں ایک بیٹے کی کمی پوری کردی تھی۔ جس پہ وہ اپنے رب کی بے حد شکر گزار تھیں۔

زیب کے سمجھ دار ہونے پہ جب ان کے لیے ایک غیر خاندان سے رشتہ آیا تب ابراہیم صاحب نے ہی ہر طرح کی ضروری چھان بین کروا کے نفیسہ بیگم کو مطمئن کیا جس کے بعد زیب رخصت ہو کے اپنے گھر چلی گئیں۔

بیٹیوں سے فراغت کے بعد اماں جان' ابراہیم اور انجم کے بے حد اصرار کے باوجود ان کے گھر منتقل نہ ہوئیں' وہ ان نازک رشتوں کی اونچ نیچ سے بہ خوبی واقف تھیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنے ہی گھر میں اپنے پرانے اور قابل بھروسا ملازمین کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی تھی۔

وقت کچھ اور آگے سرکا تھا اور تب اچانک حالات نے ایک ایسی کروٹ لی تھی کہ ان سب کی پرسکون زندگیوں میں ہلچل برپا ہو گئی تھی' وار اتنا کاری تھا کہ ہفتوں وہ خود کو سنبھال نہ پائے تھے' لیکن آخر کب تک؟ نہ چاہتے ہوئے بھی ان سب کو سنبھلنا پڑا تھا' مگر اماں جان کے ناتواں وجود میں گزری طاقت اور ہمت پھر لوٹ نہ پائی تھی۔

اس کڑی آزمائش نے انہیں توڑ کے رکھ دیا تھا اور وہ محض چند ہی ماہ میں بستر سے آلگی تھیں۔ سوچوں اور پریشانیوں نے ان کی صحت کو گھن کی طرح کھالیا تھا۔ انجم اور ابراہیم ہر ممکن طریقے سے ان کی تسلی و تشفی میں لگے رہتے' لیکن درد میں ڈوبا ان کا دل کسی طور سنبھلنے میں نہ آتا تھا۔

پھر ایک روز ایک خیال نے اچانک ہی ان کا دامن تھام لیا جس کے محض تصور سے ہی ان کی بے چین روح کو قرار سا آنے لگا۔ اس روز انہوں نے سیر ہو کے کھانا بھی کھایا اور زیب سے ڈھیر ساری باتیں بھی کیں اور جب شام میں انجم نے چکر لگایا تو ان کے اصرار پر وہ دونوں بیٹیوں کے سہارے اپنے کمرے سے نکل کر لان میں آبیٹھی تھیں۔ اور تب انہوں نے اپنے دل کی بات کہنے کو بیٹی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"تم لوگ مجھے میرے نواسا' نواسی کی خوشی میری زندگی میں ہی دکھا دو۔"

"میں سمجھی نہیں اماں؟" انجم نے الجھی نظروں سے ماں کا پرامید چہرہ دیکھا۔

"میں چاہتی ہوں' مہر اور ہنی کا نکاح ہو جائے۔"

اور ان کی بات پہ دونوں بہنیں چونک گئیں۔

"مگر اماں! وہ دونوں تو ابھی بچے ہیں۔" انجم حیرت سے مسکرائیں۔

"جانتی ہوں، لیکن کیا کروں، میرے پاس مزید وقت نہیں ہے بیٹا۔" وہ دل گرفتی سے پھیکی سی ہنسی ہنسیں تو دونوں کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبالیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں! ابھی تو آپ کو بہت ساجینا ہے۔" زیب نے ماں کا بازو تھاما۔

"کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلینے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی زیبی! میری حالت تم لوگوں کے سامنے ہے۔ تم بہنوں نے بچوں کے لیے جو فیصلہ کیا ہے اس نے مجھے کتنی خوشی دی ہے، تم دونوں سوچ بھی نہیں سکتیں، لیکن میں تمہارے اس فیصلے کو کبھی پورا ہوتا دیکھ سکوں گی۔ یہ اب نہیں لگتا۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ تم دونوں مجھے خوشی کی یہ گھڑیاں ابھی دکھادو تاکہ میں اپنی پریشانی کے ایک بڑے حصے سے نجات پاسکوں۔۔۔ ورنہ وقت تو ان شاء اللہ بعد میں بھی آئے گا۔ بس تمہاری ماں نہ دیکھ سکے گی۔" بات کرتے کرتے ان کی آواز بھر آئی تو بغور ان کی بات سنتی انجم اور زیب کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

"آپ کی خواہش سر آنکھوں پہ اماں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سسکتے ہوئے انجم نے ماں کا ہاتھ لبوں سے لگالیا۔

"جیتی رہو۔ خوش رہو۔ اللہ تم دونوں کو تمہارے بچوں کی ڈھیروں خوشیاں دکھائے۔" انہوں نے جھک کر بیٹی کا ماتھا چوما۔

"ابراہیم کو صبح میرے پاس بھیج دینا، میں اس سے خود بات کروں گی۔" ان کی بات پہ انجم نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سرہلادیا۔

"جاؤ زیبی! اندر سے کچھ میٹھا لے کر آؤ۔ میں اور تمہاری سمدھن منہ میٹھا کریں گے۔" ان کے مسکراتے لہجے پہ وہ دونوں کھل کر ہنس پڑی تھیں۔ ان کی یہ ہنسی اس گھر کے درودیوار نے بہت دنوں بعد سنی تھی۔

☆ ☆ ☆

اماں جان نے ابراہیم صاحب سے کیا کہا تھا۔ پتا نہیں، لیکن وہ پورے دل و جان سے نکاح کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ خاندان میں اس خبر پر ملے جلے تاثرات آئے تھے۔ ہاں جنہوں نے اعتراض کیا تھا۔ انہیں ابراہیم صاحب نے خود جواب دے دیا تھا۔ یوں میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی کے مصداق، سب ہی بولنے والے خاموش ہوگئے تھے اور وہ دن بھی آگیا تھا جب دس سالہ مہر اور بارہ سالہ ہنی کو زرق برق کپڑے پہنا کر نانی کے دائیں بائیں لا بٹھایا گیا تھا اور پھر ان کی موجودگی میں ہی نکاح کی پوری کارروائی عمل میں آئی تھی۔

اس دوران سب ہی کی آنکھیں کتنی ہی بار اشک بار ہوئی تھیں اور کتنی ہی بار وہ سب ان دونوں کی شرارتوں اور معصوم سوالوں پر بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک یادگار دن تھا جس کے کئی یادگار لمحوں کو کیمرے نے محفوظ کیا تھا۔ اس دن کا اختتام ڈھیروں دعاؤں پر ہوا تھا۔

نفیسہ بیگم کی خوشی دیدنی تھی۔ ان کی صحت کی جانب سے سب ہی کو اب تسلی سی ہو چلی تھی، لیکن ہوا وہی تھا جو انہوں نے کہا تھا۔ اس تقریب کے محض ڈیڑھ ہفتے بعد وہ اللہ کو پیاری ہوگئی تھیں۔

ان کے انتقال نے انجم اور زیب کی دنیا اندھیر کردی تھی۔ انہیں اس بات کا بھرپور اطمینان تھا کہ انہوں نے اپنی ماں کی خواہش پوری کرکے انہیں خوش و خرم اس دنیا سے جانے کا موقع دیا تھا۔ مگر تب وہ نہیں جانتی تھیں کہ آنے والا وقت اپنے اندر کیسے کیسے طوفان سمیٹے ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ان کی زندگیوں کے پرسکون ساحل اسے بھی، یہ چھپے ہوئے طوفان بڑی زور سے آکر ٹکرائے تھے۔ جس کے نتیجے میں ہر سو دکھ اور بے سکونی پھیل گئی تھی۔ ایسی الجھنوں نے ان سب کو گھیرا تھا کہ انہیں سلجھانے کی کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی۔ ایسے حالات

میں زندگی صرف آج تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ آنے والا کل اپنے اندر کیا راز سمیٹے ہوئے تھا' کسی میں کریدنے کی ہمت نہ تھی۔ اور گزرا ہوا کل جو الجھنیں چھوڑ گیا تھا' انہیں اگر مل بیٹھ کر سلجھانے کی کوشش کی جاتی تو ایسی بہت سی تلخ سچائیاں سامنے آجاتیں' جنہیں آج تک مصلحت کے پردے تلے وہ' زیب اور مہر چھپائے بیٹھی تھیں اور ان کی یہی خاموشی حنان کو ان پہ حاوی کیے دے رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ زیب بیگم کو تو حوصلہ رکھنے کی تلقین کر چکی تھیں۔ لیکن خود اب ہمت ہار بیٹھی تھیں۔ ان ہی سوچوں میں رات تمام ہوئی تھی۔ نتیجتاً" صبح ان کی آنکھیں سرخ اور سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ مہر کو تو انہوں نے طبیعت خرابی کا بہانہ بنا کے زبردستی کالج جانے پر مجبور دیا تھا۔ لیکن ابراہیم صاحب کو مطلع کرنا ضروری تھا۔

"کل زیب کا فون آیا تھا۔ وہ اور صغیر مہر کے سلسلے میں بات کرنے کے لیے آج ہماری طرف آرہے ہیں۔" آفس کے لیے تیار ہوتے ابراہیم صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا تو ان کی نظریں اپنی شریک حیات کی جانب اٹھ گئیں۔

"اچھا تو تمہاری یہ حالت اس فون کا نتیجہ ہے۔" وہ لمحے میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے تھے۔

"کیوں آپ کو پریشانی نہیں ہوئی؟" انہوں نے بوجھل لہجے میں سوال کیا۔

"تمہاری پریشانی اپنی جگہ۔ لیکن صغیر بہرحال ہم سے ہر سوال کرنے کا حق رکھتا ہے۔" ان کی بات پہ انجم بیگم کے اندر بے چینی پھیل گئی۔

"میں جانتی ہوں کہ صغیر ہم سے ہر سوال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن۔" ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کن الفاظ میں اپنا مدعا شوہر کے سامنے بیان کریں۔ وہ اس حقیقت سے باخوبی آگاہ تھیں کہ ان کا اولاد کی طرف داری میں کہا گیا ایک بھی لفظ ابراہیم صاحب کے غصے کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا۔ اسی لیے وہ جھجک کر خاموش ہو گئی تھیں۔

"جب تم یہ حقیقت جانتی ہو تو پھر اس "لیکن" کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی انجم۔" اور انجم بیگم کے چہرے پہ دکھ کی پرچھائیاں پھیل گئیں۔

"جانتی ہوں۔ لیکن پھر بھی آپ سے صرف اتنا کہوں گی کہ مہر کے لیے بہتر مستقبل کی خواہش میں آپ کہیں اس کی مشکلات میں اضافہ نہ کر دیجئے گا۔ اس کے لیے نئے سرے سے کوئی اچھا اور مناسب شریک سفر ڈھونڈنا ہمارے لیے آسان نہیں ہوگا۔" ان کی بات پہ ابراہیم صاحب لحہ بھر کو خاموش ہو گئے۔

"تم نے مہر سے ان کے آنے کا ذکر کیا؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے بنا کسی خیال آرائی کے نیا سوال کیا۔ انجم بیگم کا بوجھل دل مزید بوجھل ہو گیا۔

"نہیں۔"

"اچھا کیا تم زیب سے کہو کہ وہ بچیوں سے کہہ کر مہر کا کوئی پروگرام بنوا دے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ آج شام گھر پہ رکے۔" وہ گاڑی کی چابیاں اور بریف کیس اٹھاتے ہوئے بولے۔ انجم اک گہری سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔"

"اچھی بات ہے۔ چلو پھر شام میں ملاقات ہوتی ہے۔" وہ دروازے کی جانب بڑھے تو انجم ہمیشہ کی طرح انہیں رخصت کرنے کو ان کے پیچھے چل دیں۔

☆ ☆ ☆

"مبارک ہو سیم۔ تم کامیاب ہو گئے دوست! میں اب اپنی حد میں رہوں گا۔" مارک اور جوزفین ساتھ ساتھ چلتے سیم کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مارک کا لیا دیا انداز دھواں بن کے اڑ گیا تھا۔ وہ خود کو تلخ ہونے سے روک نہ پایا تھا۔

"کیا مطلب؟" بستر پہ دراز سیم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ تلخی سے مسکرا دیا۔

''میری فضول باتوں کے مطلب کو چھوڑو۔ اور یہ سن لو کہ تمہارے گھر میں چوری ہو گئی ہے۔''

''مارک!'' اس کی بدلحاظی پہ جوزفین دنگ رہ گئی تھی۔ جبکہ سیم بالکل ساکت ہو گیا تھا۔

''نہیں۔ میں معذرت چاہتی ہوں سیم! تم پلیز حوصلے سے کام لو۔ دیکھو وہ جو کوئی بھی ہے' پولیس اسے ڈھونڈ لے گی۔'' شرمندگی کے مارے جوزی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے بات کو سنبھالے۔

بھلا کوئی کسی مریض کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے؟۔

''مجھے کسی کو نہیں ڈھونڈنا۔'' سیم کی بے تاثر آواز شرمندہ ہوتی جوزفین کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ ساری شرم بھول بھال حیرت سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔ جبکہ مارک طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

''یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم چور کو اچھی طرح جانتے ہو سو ڈھونڈنا کیسا؟'' سیم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے کاٹ دار لہجے میں جتایا تو سیم جیسے پھٹ پڑا۔

''ہاں' جانتا ہوں پھر؟''

''پھر یہ کہ ذلیل آدمی! تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تم اس عورت کو اپنے گھر میں لے آئے ہو؟'' وہ غصے سے بولا تو گھبرائی ہوئی جوزفین نے پریشان نظروں سے دروازے کی جانب دیکھا۔ یہ شور شرابا کہیں اسپتال کے عملے کو نہ متوجہ کر لیتا۔

''میری مرضی!'' غصے سے کہتے ہوئے سیم نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ مگر مقابل بھی مارک تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اور ایک جھٹکے سے اس کا بازو نیچے گرا دیا تو جوزفین کی سانس حلق میں اٹک گئی۔

''تمہاری اس حالت کی ذمہ دار بھی وہی ہے نا؟'' اور جوزفین کو لگا کہ اب تو دونوں دوستوں کے درمیان جھڑپ ہوئی ہی ہوئی۔ لیکن اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سیم چند لمحے خاموشی سے مارک کا چہرہ تکنے کے بعد دل گرفتہ لہجے میں بولا۔

''نہیں۔ اپنی اس حالت کا میں خود ذمہ دار ہوں۔''

''پلیز سیم! اب تو بتاؤ یار کہ یہ۔ کیسے ہوا؟'' مارک کا غصہ بے بسی میں ڈھل گیا۔

''کیوں اور کیسے کے ذکر کو جانے دو۔ یہ پوچھو کہ کس لیے ہوا؟'' اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے وہ بوجھل لہجے میں بولا تو مارک نے جیسے ہار مان لی۔

''اچھا۔ یہی بتا دو کہ کس لیے ہوا؟''

''مجھے موت کا احساس دلانے کے لیے۔''

''کیا؟'' مارک نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کے ذہنی توازن بگڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

''کیوں یقین نہیں آیا نا؟'' اس کے تاثرات پہ سیم کے لبوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مجھے کبھی نہ آتا اگر میں اس رات بدبو سے بھرے اس کچرے کے ڈھیر پہ بے یارومددگار نہ پڑا رہتا۔''

''مجھے لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' مارک نے تشویش سے اسے دیکھا۔

''اوں ہوں' طبیعت ابھی تو صحیح معنوں میں ٹھیک ہوئی ہے۔'' اس کے جواب پہ مارک کی پریشانی دوچند ہو گئی۔ چند سیکنڈ اس کی جانب دیکھنے کے بعد وہ ڈاکٹر سے بات کرنے کی نیت سے پلٹا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ قدم بڑھاتا' سیم نے اس کی کلائی تھام کر اسے اپنی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

''اس بار تو میں اس عورت کو مل گیا۔ اور میری جان بچ گئی۔ لیکن اگر میں دوبارہ کسی کو نہ مل سکا تو؟''

''سیم! دیکھو تم اس حادثے کو ذہن پہ سوار۔''

''میری بات کا جواب دو مارک۔ اگر میں دوبارہ کسی کو نہ مل سکا تو؟'' اور مارک اسے بے بس نظروں سے دیکھتا لب بھینچ گیا۔

''کوئی جواب نہیں ہے نا۔ مگر میرے پاس ہے۔ تو میں کسی کچرے کے ڈھیر پہ یا کسی تیز رفتار گاڑی کے ٹائروں تلے آ کے' یا اپنے فلیٹ کی تنہائی میں یا شراب کے نشے میں کسی بار میں ایک تنہا لاش کی صورت پڑا رہ جاؤں گا جس کے قریب جاتے ہوئے بھی ہر کوئی ڈرے گا' اس وقت اگر میری جیب سے کوئی نشانی نکل آئی تو شاید کہیں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کے تمہیں کال کر لیا جائے

گا۔ تم ٹریس نہ ہو سکے یا سرے سے کوئی نشانی ہی نہ مل سکی تو مجھ پہ ایک لاوارث لاش کا ٹھپہ لگا کے چند دنوں کے لیے سرد خانے میں پھینک دیا جائے گا۔ اور میری باری آنے پہ چند انجان لوگ ایک دن مجھے وہاں سے نکال کے ایک گمنام کھڈے میں ڈال دیں گے۔ جس پہ پہچان کا نہ تو کوئی کتبہ ہو گا اور نہ کوئی تحریر۔ پھر اگر تم بھی کبھی مجھے ڈھونڈنا چاہو گے تو ڈھونڈ نہ پاؤ گے۔ میں کہاں کھو جاؤں گا' میرے اپنوں کو کبھی پتا نہ چل سکے گا۔ کیا میں ایسے ہی کسی بے کس اور گمنام انجام کے قابل ہوں مارک؟"

بولتے بولتے اس نے اچانک سوال کیا تو دم سادھے کھڑا مارک اسے خاموشی سے ایک ٹک دیکھے گیا۔ اس منظر کشی نے اس کی رگ و پے میں عجیب سی سنسناہٹ دوڑا دی تھی۔

"بولو نا مارک! کیا میری موت کی خبر' میری لاش کی بدبو لوگوں تک پہنچائے گی؟" اس نے مارے وحشت کے اپنے ہاتھ میں دبا مارک کا ہاتھ دبایا تو مارک خود بھی بے چین ہو گیا۔

"نہیں سیم! نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ تم ایسے کسی انجام کے مستحق نہیں ہوا۔" اس نے جھک کر شدت جذبات سے اس کا شانہ دبایا۔ تو سیم کے پورے وجود میں در آنے والی بے قراری اور سراسیمگی سمٹ سی گئی۔

"بس مجھے یہی سننا تھا۔ اب مجھے کوئی الجھن' کوئی کشمکش نہیں۔" گہری سانس لیتے ہوئے اس نے پرسکون انداز میں آنکھیں موند لیں۔ اس کی اس پل پل بدلتی کیفیت پہ مارک نے گھبرا کے جوزفین کی جانب دیکھا جو اسی کی طرح حیران پریشان سی کمرے کے وسط میں پتھرائی کھڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ سیم کو کیا ہو گیا ہے؟" خاموشی سے کھانا کھاتے ہوئے جوزفین نے اچانک سر اٹھا کے مقابل بیٹھے مارک کی جانب دیکھا جو اس کی طرح سوچوں میں گم ایک کے بعد ایک نوالے منہ میں رکھتا جا رہا تھا۔ اس کے سوال پہ مارک نے نظریں اٹھا کے جوزی کی طرف دیکھا اور ہاتھ میں پکڑا کانٹا پریشانی سے پلیٹ میں رکھ دیا۔

"میری تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے کیا ہو گیا ہے لیکن ایک بات تو صاف ظاہر ہے کہ وہ خوف کا شکار ہے۔ اور ایسی حالت میں ہمیں اسے اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

"تو پھر؟"

"پھر یہ کہ اسے ڈسچارج کروانے کے بعد میں کچھ دن اس کے ساتھ اس کے فلیٹ میں رہوں گا۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو۔"

"میں کیوں اعتراض کروں گی۔ اس کی حالت نے تو مجھے خود پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ ہمیں اسے جلد از جلد کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھانا ہو گا۔" اس کے متفکر انداز پہ مارک نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بے فکر رہو۔ میں کل صبح ہی کسی اچھے سائیکالوجسٹ سے ٹائم لیتا ہوں۔" اس کی بات پہ جوزفین نے اک گہری سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

مہر کالج میں تھی۔ جس وقت جائشہ کا فون آیا تھا۔ وہ اور نوریہ شام میں شاپنگ کا پروگرام بنائے بیٹھی تھیں۔ اور اسے ساتھ لے جانے پہ مصر تھیں۔ مجبوراً" مہر کو ہامی بھرنی پڑی تھی۔ کالج سے آنے کے بعد اس نے کھانا کھا کے نماز پڑھی اور کچھ دیر سستانے کے بعد تیار ہو کے نیچے آئی تھی لیکن لاؤنج میں انجم بیگم کو سوچوں میں غلطاں بیٹھا دیکھ کے وہ چونک گئی تھی۔ یہ وقت تو ان کے آرام کا ہوتا ہے۔ پھر بھلا۔

"کیا بات ہے مما جان۔ آپ یوں کیوں بیٹھی ہیں؟" تیز قدموں سے ان کے قریب آتے ہوئے اس نے پریشان نظروں سے ان کی جانب دیکھا جو اس کی آواز پہ بے اختیار چونک گئی تھیں۔

"یوں ہی نیند نہیں آرہی تھی۔ اس لیے سوچا تھوڑا ٹی۔ وی دیکھ لوں۔" آواز میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے وہ مسکرائیں۔ مہر نے ایک نگاہ بند پڑے ٹی۔ وی پہ ڈال کے ان کی طرف دیکھا تو وہ نظریں چرا گئیں۔

"کیا بات ہے مما جان۔ آپ مجھے صبح سے پریشان لگ رہی ہیں۔" ان کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھا تو انجم بیگم کی آنکھیں نہ چاہتے ہوئے بھی بھر آئیں۔

"مہر! ایسا کب تک چلے گا بیٹا؟" ان کے استفسار پہ ایک بوجھل سانس اس کے لبوں سے ٹوٹ کر فضا میں بکھر گئی۔ وہ جان گئی تھی کہ انہیں کون سی بات ستا رہی تھی۔

"آپ اس بات کو قبول کیوں نہیں کر لیتیں۔ مما جان! کہ زندگی اب یونہی گزرنے والی ہے۔"

"زندگی کوئی بچوں کا کھیل ہے۔ جو میں تمہاری اس فضول بات کو قبول کرلوں؟ ہم آج ہیں کل نہیں' اس کے بعد کبھی سوچا ہے کہ کیا ہوگا؟" انہوں نے غصے سے اسے دیکھا تو وہ نگاہیں جھکا گئی۔

"زیب اور صغیر کے سامنے ہم پہلے کیا کم شرمندہ ہیں جو تم ہمیں مزید شرمندہ کرنے پہ تلی ہوئی ہو۔"

"آپ کیوں شرمندہ ہوتی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔" وہ پلکیں اٹھاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

"ایسے نادانی بھرے فیصلوں کو کوئی نہیں مانتا۔ وہ اگر اب تک چپ ہیں تو صرف اس لیے کہ تم خود ہوش کے ناخن لو۔ لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ ہمیں خود ہی کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا۔" ان کے قطعی لہجے پہ مہر کے چہرے پر اضطراب ابھرا۔

"پلیز مما جان! آپ لوگ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔" اس نے مضطرب نظروں سے دیکھتے ہوئے ان کا ہاتھ تھاما۔ لیکن اس سے پہلے کہ انجم کوئی جواب دیتیں۔ لاؤنج کا دروازہ کھلنے کی آواز پہ دونوں نے ایک ساتھ پلٹ کر دروازے کی جانب دیکھا۔

"مہر بی بی! باہر جائشہ بی بی کی گاڑی آئی ہے۔" اسے متوجہ دیکھ کے دل شیر نے اسے وہیں سے مطلع کیا تو مہر بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا مما جان! میں جا رہی ہوں۔" اس کی نظریں ان کے تھکے ہوئے چہرے پہ جا ٹھہریں۔ "آپ پلیز کچھ دیر آرام کر لیں۔"

"کرلیتی ہوں۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولیں۔ مہر بے بسی سے انہیں دیکھتی پلٹ کر بوجھل قدموں سے باہر نکل گئی۔

اس کے چلے جانے کے بعد انجم کچھ لمحے یونہی خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھی رہیں اور پھر ہاتھ بڑھا کر سامنے رکھا فون اٹھا لیا۔ ان کی انگلیاں "قاضی ولا" کا نمبر ملانے لگی تھیں۔

✲ ✲ ✲

"میں نے تم سے بڑا بے وقوف اپنی زندگی میں نہیں دیکھا سیم!" اور زمین پہ گرے درد سے نڈھال ہوتے سیم کی آنکھیں ہر اذیت بھلائے مارے بے یقینی کے پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔

ہسپانوی نقوش سے سجا اس کا حسین چہرہ تمسخر اور حقارت کے رنگوں میں ڈوبا ایک لمحے کو اس کے قریب جھکا تھا اور اگلے ہی لمحے سیدھے ہوتے ہوئے اس نے اپنی ٹانگ پوری طاقت سے سیم کی پسلیوں میں ماری تھی۔ اس کے جوتے کی نوک نے سیم کو بلبلانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اک کراہ اس کے لبوں سے نکلی تھی اور سوئے ہوئے سیم کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھل گئی تھی۔ بے اختیار تھوک نگلتے ہوئے اس نے لیٹے لیٹے گردن گھما کے اپنے دائیں طرف دیکھا' جہاں مارک بے خبر سو رہا تھا۔ اسے دیکھ کے اطمینان کا گہرا احساس سیم کو اپنے اندر اترتا محسوس ہوا۔

دھیرے سے رخ موڑ کر اس نے اپنا سینہ مسلا' تاکہ اس بے چینی اور گھبراہٹ سے نجات پا سکے۔ جو اس تلخ حقیقت نے سوتے میں بھی اس کے اندر جگا دی تھی' مگر اس خوب صورت ناگن کا چھو اور اس کا دیا ہوا زہر

اس کے روم روم میں کھنچاؤ برپا کرنے لگا تھا۔ یہ حادثہ تو جیسے اس کی روح تک سے چمٹ گیا تھا اور کیوں نہ چمٹتا؟ وہ اس لڑکی کے ہاتھوں صرف لوٹا نہیں گیا تھا بلکہ ذلیل ہوا تھا۔ جسم سے لے کر احساسات تک اور احساسات سے لے کر روح تک ذلیل!

وہ لمحے، جب اس پہ اچانک پل پڑنے والے لڑکوں کے ہاتھ اور پاؤں لحظ بھر کو رک گئے تھے اور اس کی درد سے بند ہوتی آنکھوں نے لورین کو اپنے قریب دوزانو جھکتا دیکھ کے اس کا اپنی جانب بڑھتا ہاتھ تھامنا چاہا تھا۔ اس یقین سے کہ شاید وہ نازک سی لڑکی اسے ان غنڈوں کے نرغے سے نکال لینے میں کامیاب ہو جائے وہ اس کی زندگی کے سب سے کرب ناک لمحے تھے کیونکہ اگلے ہی پل لورین نے اس کی ہر خوش فہمی کی دھجیاں اڑاتے ہوئے انتہائی بے رحمی سے اس کا ہاتھ پرے جھٹک دیا تھا اور اس کے ہاتھ انتہائی سرعت سے اس کی جیبوں میں رینگنے لگے تھے۔ جنہیں خالی کرنے کے بعد اس نے اس کی کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی اتار کے پیچھے کسی کو تھمائی تھی۔

تب اسے اٹھتا دیکھ کے سیم نے اپنے نڈھال پڑے وجود کی پوری ہمت صرف کر کے اس کی کلائی جکڑ لی تھی۔

بے اختیار لورین کی نظریں اس کی وحشت زدہ بے یقین نظروں سے ٹکرائی تھیں اور اس کے سرخ لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں کی تراش میں بڑی بے رحم سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔

"میں نے تم سے بڑا بے وقوف اپنی زندگی میں نہیں دیکھا سیم!" اس کا تمسخر اور حقارت کے رنگوں میں ڈوبا حسین چہرہ پل بھر کو اس کے قریب جھکا تھا اور اگلے ہی لمحے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے اس نے اپنی ٹانگ پوری طاقت سے سیم کی پسلیوں میں ماری تھی۔ اس کے جوتے کی نوک نے سیم کو بلبلانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اس کے لبوں سے اک کراہ نکلی تھی، لیکن اذیت اور ذلت کی جو کراہیں اس پل اس کے دل و دماغ سے نکلی تھیں وہ تاحال اس کے اندر گونج رہی تھیں۔

اعصاب کے تناؤ نے اس کے اندر سگریٹ کی طلب بیدار کر دی تھی۔ وہ کہنیوں کے بل زور دیتا آہستگی سے اٹھ بیٹھا تھا۔

سائیڈ ٹیبل کی دراز سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کے وہ سیدھا ہونے کو تھا کہ اس کی نظر ٹیبل کی ٹاپ پہ پڑی، جہاں لیمپ کے پاس رکھا فوٹو فریم غائب تھا۔ چند ثانیے ٹیبل کی سطح کو دیکھنے کے بعد اس نے پلٹ کر مارک کی طرف دیکھا تھا۔ زندگی میں پہلی بار سیم کو اپنے دل میں کسی کے لیے تشکر کے احساسات امڈتے محسوس ہوئے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک بہترین انسان اور باکمال دوست تھا۔ اسے مارک کا اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ یکایک بالکل درست لگنے لگا تھا۔

اس کے چہرے پہ سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے وہ خود پہ سے لحاف ہٹا کے آہستگی سے بیڈ سے نیچے اتر آیا تھا اور لیمپ بجھا کر نائٹ بلب کی روشنی میں دھیرے دھیرے چلتا دروازہ کھول کے باہر لاؤنج میں نکل آیا تھا۔

اپنے پیچھے بنا کسی آہٹ کے دروازہ بند کر کے اس نے لائٹ جلائی تھی اور چلتا ہوا صوفے پہ آ بیٹھا تھا۔ سگریٹ جلا کے اس نے ایک گہرا کش لیا تھا۔ بہت دنوں بعد سکون کی ایک گہری لہر اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی تھی۔ ایک سگریٹ ختم کر کے اس نے فوراً" دوسرا سگریٹ جلایا تھا۔

اپنے دھیان میں دھواں اڑاتے ہوئے اس کی نظر سامنے رکھے سینٹر ٹیبل کی جانب اٹھی تھی اور وہ بے اختیار چونک گیا تھا۔

ٹیبل پہ سجے بیش قیمت کرسٹل ہیبز اب غائب تھے، لیکن ان کے برابر میں ڈیڑھ ہفتہ پہلے لا کر سجائے جانے والے نہایت سستے سے چند ایک رنگ برنگے ڈیکوریشن پیسز وہیں موجود تھے۔ یکایک اس کا اپنے منہ کی جانب بڑھتا ہاتھ ساکت ہو گیا تھا اور آنکھیں گویا اس میز پر جم سی گئی تھیں۔ ان ڈیکوریشن پیسز کو لورین کے گھر سے لا کے وہاں اس نے خود اپنے ہاتھوں سے بڑی محبت سے سجایا تھا اور تب وہاں رکھے ان

قیمتی کرسٹل پیسز سے بھی زیادہ سجے تھے۔ وہ کتنی دیر لورین کے پہلو میں کھڑا انہیں نہار تا رہا تھا۔

لیکن اب رات کے اس پہر اسے وہ چیزیں اس قیمتی میز پہ اپنی اوقات آپ بتاتی محسوس ہو رہی تھیں۔ دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق تھا۔ ”یہ فرق اسے پہلے کیوں نظر نہیں آیا تھا؟“ تعجب سے سوچتے ہوئے اس نے سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا۔ بے اختیار وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے قدم اور اس کی نظریں پورے گھر میں بھٹکنے لگی تھیں۔

ہر جگہ سے آسمان غائب تھا اور زمین رہ گئی تھی۔ یوں جیسے اس رات اپنی ذات سے متعلق اس کی تمام خوش گمانیاں غائب ہو گئی تھیں اور صرف اس کی لاچاری اور بے بسی رہ گئی تھی۔

وہ یہ کیسا نقصان کا سودا کر بیٹھا تھا؟ واقعی شاید اس سے بڑا بے وقوف اور کوئی نہ تھا جو خود کو عقل کل سمجھ کے نجانے کون کون سے پتھر اور کنکر اپنی جھولی میں اب تک بھرتا رہا تھا اور اب جو عقل ٹھکانے آئی تھی تو احساس ہوا تھا کہ وہ کتنے پانی میں تھا اور اپنے حق میں کتنے غلط فیصلے کر چکا تھا۔ پہلا غلط فیصلہ سوزی کو اپنی شریک سفر بنانے کا تھا۔ جس کی خود سر اور کھلی فطرت اس کے سامنے تھی‘ مگر پھر بھی اس نے سوزی کو ساری دنیا سے ٹکرلے کر اپنایا تھا کیوں کہ ان دونوں کی فیملیز ان کی شادی کے خلاف تھیں جبکہ انہیں یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ ان جیسی ذہنی ہم آہنگی شاید ہی کسی خوش نصیب جوڑے کے درمیان پائی جاتی ہو گی‘ لیکن جب سوزی ایک معشوقہ سے ایک بیوی کے روپ میں آئی تھی تب سیم کو احساس ہوا تھا کہ دھونس جمانے اور من مانی کرنے والی بے باک فطرت عورت کے ساتھ بطور شوہر اس کی ذہنی ہم آہنگی صفر کے برابر تھی۔ دونوں حکم دینے کے عادی تھے لینے کے نہیں۔ وہ یکا یک ایسی دو تلواروں میں تبدیل ہو گئے تھے جو اپنی ہی غلطی سے ایک میان میں آگھسی تھیں اور اب ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کے درپے تھیں۔ بچے جیسا کوئی ننھا چونکہ سوزی نے پیدا ہی نہیں ہونے دیا تھا۔ اس لیے دونوں نے مزید کسی مشکل کے اپنی اپنی راہ لی تھی۔

یہ الگ بات تھی کہ سیم کو اپنی دولت بچانے کے لیے بے تحاشا پاپڑ بیلنے پڑے تھے اور تب اس نے شادی جیسی بقول اس کے بے ہودہ اور لغو چیز سے ہمیشہ کے لیے توبہ کی تھی۔۔۔ لیکن وہ اپنی توبہ پر قائم نہیں رہ سکا تھا۔

محض ایک ہی ہفتے بعد لورین کا چہرہ اس کے دل‘ ذہن اور اس کے حواسوں پر سوار ہو گیا تھا۔ وہ یونہی آنا ”فانا“ لوگوں اور چیزوں کے عشق میں گرفتار ہونے کا عادی تھا۔ جب تک مقصود کو پانہ لیتا‘ طلب کا بخار ایک سو چار درجے پہ پہنچا رہتا اور جب چیز دسترس میں آجاتی تو شوق کا پیمانہ بھرنے میں زیادہ دیر نہ لگتی اور اب کے تو واسطہ بھی لورین سے پڑا تھا۔ جو کسی ساحرہ سے کم نہ تھی۔ وہ زندگی کے ایک ایک لمحے سے ”زندگی“ کشید کرنا جانتی تھی۔ وہ اتنی متحرک اور ایڈونچر پسند تھی کہ سیم جیسے سیمابی شخص کو بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنی رفتار بڑھانی پڑی تھی۔ اتنے عرصے بعد بنا کسی زنجیر کے یوں اڑے اڑے پھرنا اس کے لیے ایک بے حد رومانوی اور بھرپور تجربہ تھا جو اس نے لورین کے اصرار پہ ہی مارک تک سے چھپایا تھا۔

لورین کی ہمراہی نے اس کی من موجی اور بے نیاز فطرت کو خوب ہوا دی تھی۔ وہ کون تھی؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی؟ اس کا ماضی کیسا تھا؟ سیم کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

وہ بنا کسی کو بتائے خود جا کر اس کی ایک ایک چیز اس کے ڈربے نما مکان سے سمیٹ لایا تھا اور لا کر اس نے وہ تمام چیزیں بڑی محبت سے اپنی چیزوں کے ساتھ سجا دی تھیں۔ ایک دوسرے کے پہلو میں سجنے کے بعد ان کے درمیان موجود فرق اور بھی شدت سے ابھر کر آیا تھا‘ مگر تب بھلا سیم کو کب پروا تھی بلکہ اسے تو یہ فرق سرے سے نظر ہی نہیں آیا تھا یا شاید یہی قدرت کی منشا تھی۔

اور اب جب پٹی اترنے کا حکم آیا تھا تو وہ حق دق

بیٹھا اپنے سامنے موجود اس واضح ہوتے فرق کو دیکھ اور پرکھ رہا تھا۔ اپنے فیصلے جو اسے کبھی غلط نہ لگے تھے رات کے اس پہر اسے یکایک ان میں بہت سی خامیاں' بہت سی کمزوریاں نظر آنے لگی تھیں۔ وہ اپنی بدلتی سوچ پہ حیران تھا۔ انگلیوں میں دبی راکھ ہوتی سگریٹ نے اس کی انگلیوں کو چھوا تھا تو وہ ایک جھٹکے سے ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا۔

"یہ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے اس نے پریشانی سے اپنا سر تھام لیا۔ "پہلے ہر زعم ڈھیر ہوا اور اب۔ اب یہ احساس!... او گاڈ... کیا میں ہر لحاظ سے غلط تھا؟"

نچلا لب دانتوں تلے دبائے اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ سوچا تب ہی ایک جھماکے کے ساتھ ذہن کی اسکرین پہ بے ہوشی کی حالت میں دیکھا جانے والا خواب واضح ہونے لگا۔

ویران' تاریک گلیاں' اس کے بھاگتے قدم' خوف ناک بھونکتے کتے' بند دروازے۔ اور ان سب کے درمیان اس کی مدد کے لیے کھلنے والا فقط ایک در... اس کے قدموں کا اس دہلیز کو چھونا۔ اور... اور اندر جانے کے بجائے پلٹ جانا! واپس تاریکیوں میں پلٹ جانا!... حیرت سے سوچتے ہوئے سیم بے اختیار پریشانی کے عالم میں سیدھا ہوا۔

"یہ۔ یہ بھلا کیسا خواب تھا؟" اس نے بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں۔ "اور یہ وہ کس پناہ گاہ کے دروازے کو کھلا چھوڑ آیا تھا۔ وہ بھی اندھیروں کی جانب مشکلات کی جانب..." تعجب سے سوچتے ہوئے اس کا دل سہم گیا تھا۔

نجانے کیوں! لیکن اسے یہ خواب محض خواب نہ لگ رہا تھا بلکہ ایک اشارہ لگ رہا تھا۔ ایسا اشارہ جو اس کی ایک فاش غلطی کی جانب کیا جا رہا تھا۔ اب اتنی بہت سی دریافت ہونے والی غلطیوں میں سے وہ سب سے بڑی غلطی کون سی تھی۔ سیم سمجھنے سے قاصر تھا۔ بالکل قاصر!

☼ ☼ ☼
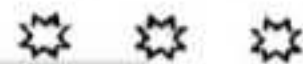
ڈرائنگ روم میں وہ چاروں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے خاموش بیٹھے تھے۔ رسمی گفتگو سمٹ چکی تھی اور اب وقت تھا کہ اصل موضوع کی جانب پیش رفت کی جاتی جس کا ہر پہلو کھلی کتاب کی طرح تھا۔ پھر بھی صغیر قاضی کو بات شروع کرنے کے لیے الفاظ ترتیب دینے پڑے تھے۔

"بھائی جان اور آپا۔ آج میری آمد کا مقصد صرف مہر اور ہنی کے مسئلے کو حل کرنا ہے... آپ ہی بتائیں آخر آپ دونوں نے اس بارے میں کیا سوچا ہے؟" انہوں نے سامنے بیٹھے ابراہیم صاحب اور انجم بیگم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو ابراہیم ملک نے اک گہری سانس لی۔

"سوچنا کیا ہے صغیر' ہر چیز تمہارے سامنے ہے... مہر کی ضد نے جیسے بے بس سا کر دیا ہے۔"

"وہ بچی ہے بھائی جان۔ اس کے پیچھے لگنا کہاں کی عقل مندی ہے۔" صغیر صاحب کی بات پہ زیب بیگم کی پریشان نگاہیں بہن کی جانب اٹھ گئیں۔ دونوں کی نظریں ملیں تو انجم نے اک بے آواز بوجھل سی سانس کھینچی۔

"تو کیا کروں؟ تم ہی بتاؤ؟" ابراہیم صاحب نے تھک کے صغیر قاضی کی جانب دیکھا۔

"میرے خیال میں تو آپ سب سے پہلے' اسے قاضی ولا رخصت کرنے کی تیاری کریں۔" اور شوہر کی بات پہ زیب کا دل اس تیزی سے ڈوب کر ابھرا کہ ان کی سانس ایک پل کو رک سی گئی۔

"لیکن صغیر! مہر ایسا نہیں چاہتی۔" انجم بیگم نے سرعت سے مداخلت کی۔

"جانتا ہوں آپا! لیکن اب تھوڑی سی سختی تو کرنی پڑے گی آپ دونوں کو۔"

"چلو مان لیا کہ ہم یہ سختی کر لیتے ہیں' لیکن اس زور زبردستی سے اس کا دل تو نہیں بدلا جا سکتا نا۔" انجم کی بات پہ زیب بیگم کو تھوڑا حوصلہ ہوا۔

"اس کا دل ان حالات میں بدلے گا بھی نہیں۔ آپ لوگ ذرا حالات کو نیا رخ دینے کی کوشش تو

کریں۔" صغیر صاحب نے رسان سے کہتے ہوئے انجم اور ابراہیم صاحب کو دیکھا۔

"حالات اتنی آسانی سے نیا رخ نہیں لیں گے صغیر۔" ابراہیم ملک کے بوجھل لہجے پہ صغیر قاضی بے اختیار خاموش ہو گئے۔

"تو بس پھر اس نام نہاد رشتے کو ختم کیجئے۔ معاملہ خود ہی پار لگ جائے گا۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد صغیر صاحب دوٹوک لہجے میں بولے تو ڈرائنگ روم میں موجود تینوں افراد پہ خاموشی چھا گئی۔

"معذرت کے ساتھ بھائی جان! لیکن میں اب اس بات کو مزید لٹکانے کے حق میں نہیں اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو پریشان حال زیب بھی شوہر کے انداز پہ اندر ہی اندر خائف ہوتی اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

"اچھا صغیر! تم بیٹھو تو سہی۔" بہنوئی کا یوں اٹھ جانا، انجم کو بھی پریشان کر گیا، وہ سرعت سے اٹھیں تو ابراہیم ملک جیسے کسی نتیجے پہ پہنچ گئے۔

"تم صحیح کہتے ہو۔ اس نام نہاد رشتے کو واقعی اب اپنے انجام تک پہنچ جانا چاہیے۔" ان کی بات پہ صغیر قاضی نے سوائے خاموش نظروں سے انہیں دیکھنے کے کوئی جواب نہ دیا، لیکن انجم اور زیب کے دل جیسے بیٹھ سے گئے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ، کچھ تو سوچیں۔" انجم نے پلٹ کر دہائی دی۔ ابراہیم صاحب بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سوچ لیا ہے۔ مہر کی جان اس رشتے سے چھوٹے گی تو کچھ ہو گا۔" ان کے قطعی لہجے پہ انجم بے بسی سے خاموش ہو گئیں۔

"میں کل ہی اپنے وکیل سے بات کرتا ہوں۔" انہوں نے صغیر قاضی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ہمیں اب اجازت دیں۔" انہوں نے ایک نظر ساتھ کھڑی بیوی پہ ڈالی جن کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ وہ نگاہیں چرائے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئے تو زیب کے لبوں سے دبی دبی سی سسکی نکل گئی۔

بے اختیار انجم نے آگے بڑھ کے انہیں خود سے لگا لیا۔

"مجھے معاف کر دو زیبی۔ میں اماں کے بنائے ہوئے رشتے کو بچا نہ سکی۔" آنسو انجم بیگم کی آنکھوں سے ٹوٹ کے بہہ نکلے تو بہن کے سینے سے لگی کھڑی زیب کا ضبط بھی جواب دے گیا۔

جبکہ ابراہیم ملک اپنی چچی کی روح سے شرمندہ ہوتے چور چور دل لیے باہر نکل گئے۔

✡ ✡ ✡

صبح کے آٹھ بج رہے تھے جب مارک نیند سے بیدار ہوا تھا۔ اپنے برابر خالی بستر دیکھ کے وہ یہی سمجھا تھا کہ سیم باتھ روم میں ہو گا، مگر جب دس منٹ تک اندر سے کوئی برآمد نہ ہوا تو وہ تیزی سے اٹھ کر باتھ روم کی جانب گیا اور اسے خالی دیکھ کر وہ یک لخت گھبرا گیا۔

الٹے پیروں کمرے کا دروازہ کھول کے وہ تیز قدموں سے لاؤنج میں چلا آیا اور صوفے پہ نظر پڑتے ہی اس کے سینے سے اک سکون بھری سانس برآمد ہوئی۔ سیم صوفے پہ لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔

وہ مطمئن سا چلتا دوسری طرف رکھے کاؤچ پہ آگے گر سا گیا۔ سوئے ہوئے سیم کو بے دھیانی سے تکتے ہوئے وہ سیدھا ہوا تو نظریں صوفے کے ایک جانب، نیچے زمین پہ رکھے درمیانے سائز کے گتے کے ڈبے پہ پڑیں۔

"یہ تو رات تک یہاں نہیں تھا۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس ڈبے کی جانب بڑھا۔ اور اسے کھول کر دیکھنے کو جھکا، لیکن جوں ہی اس کی نظر اندر رکھی چیزوں سے ٹکرائی وہ بے اختیار ٹھٹک گیا۔

وہ سب لورین کا سامان تھا۔ یعنی سیم رات بھر اسی حادثے اور اسی عورت میں پھنسا رہا تھا۔ سیدھے ہوتے ہوئے اس کی متفکر نگاہیں سیم پہ جا ٹھہری تھیں۔ جو نجانے کب سویا تھا؟ اسے جگانے کا ارادہ ترک کر کے وہ باتھ روم میں چلا آیا تھا اور جب فریش

ہو کے واپس آیا تھا تب سیم آنکھیں کھولے صوفے پہ چیت لیٹا تھا۔
"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" مارک اس کے پیروں کی جانب آرکا۔
"ٹھیک ہوں۔۔۔ تم نے وہ تصویر کہاں رکھی ہے؟" سیم کی نگاہیں چھت پہ سے ہٹ کے مارک کے چہرے پہ آٹکیں جو اس کے سوال پہ بری طرح چونکا تھا۔ یعنی سیم جان گیا تھا کہ اس کے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے ان دونوں کی تصویر اس نے اٹھائی تھی۔
"اندر الماری میں ہے۔" اس کے بے تاثر چہرے کو تکتے ہوئے مارک نے جواب دیا۔
"لے آؤ پلیز۔" وہ دھیرے سے بولا تو مارک بیڈ روم کی جانب بڑھ گیا۔ الماری میں سے تصویر نکال کے وہ واپس آیا تو سیم اٹھ کر بیٹھ گیا اور خاموشی سے اس کے ہاتھ سے فریم پکڑ لیا۔
فریم میں جڑی تصویر پہ اک نگاہ غلط ڈالے بنا اس نے فریم کو الٹ کر اندر موجود تصویر نکالی اس کے کئی ٹکڑے کیے اور فریم کو بیٹھے بیٹھے نیچے پڑے ڈبے میں اچھال دیا۔ اس کی اس حرکت پہ مارک لحظہ بھر کو حیران رہ گیا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے قصداً نارمل لہجے میں سوال کیا۔
"تم نے اپنی باقی چیزوں کو چیک کیا ہے؟"
"ہوں۔۔۔" اس نے محض ہنکارا بھرا۔
"زیادہ نقصان تو نہیں ہوا نا؟" اور مارک کے سوال پہ سیم کی خالی خالی سی نگاہیں اس کے چہرے پہ آٹھہریں۔ اس کے تاثرات پر مارک پریشان ہو گیا۔
"کیا زیادہ نقصان ہوا ہے؟" وہ اس کے قریب چلا آیا۔
"بہت۔ بہت زیادہ۔" اس نے دل گرفتی سے جواب دیا۔
"مگر تمہارا لاکر تو محفوظ ہے۔" مارک پریشانی سے بولا۔
"بس وہی محفوظ ہے باقی تو سب ختم ہو گیا۔" سیم نے تھکے ہوئے انداز میں اپنا سر صوفے کی پشت پہ ڈال دیا۔
"تم ایسا کرو ناشتا کر کے غائب ہونے والی ساری چیزوں کی ایک لسٹ بناؤ۔۔۔ ہمیں اب یہ معاملہ ہر حال میں پولیس کے حوالے کرنا ہوگا۔" مارک کی بات پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ سیم کے لبوں پہ پھیل گئی۔ اس کی نظریں اوپر چھت پہ جمی نجانے کیا تلاش کر رہی تھیں۔
"ساری رات یہی تو کیا ہے۔"
"اچھا!" مارک نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔ "یہ تو بہت عقل مندی کا کام کیا تم نے۔"
"بس ایک آخری چیز سمجھ میں نہیں آرہی۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کے مارک کو دیکھا۔
"کیا؟"
"یہ کہ میں کس پناہ گاہ کے دروازے کو کھلا چھوڑ آیا ہوں؟" اور مارک کا منہ اس کی بات پہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"ڈاکٹر پلیز! مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ وہ کبھی بھی میرے ساتھ یہاں آپ کے کلینک نہیں آئے گا۔" شام میں مارک سائیکاٹرسٹ کے سامنے بیٹھا تھا۔ سیم کی حالت اس سے ڈسکس کرنے کے بعد مارک نے ملتجی لہجے میں کہا تو ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لی۔

"تو پھر؟"

"پھر یہ کہ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو کیا آپ میرے کزن بن کے اس کے گھر میرے ساتھ چل سکتے ہیں؟" مارک نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا تو ڈاکٹر پل بھر کو خاموش ہو گیا۔

"دیکھیں مسٹر مارک' ایسا ہوتا نہیں ہے۔ ویسے بھی مجھے صرف ایک سٹنگ تو نہیں...."

"میں جانتا ہوں سر! لیکن اگر آپ ایک بار اس سے مل لیں گے تو شاید اگلی بار وہ خود آپ سے ملنے کے لیے تیار ہو جائے۔ آپ پلیز۔ پلیز میری درخواست قبول کر لیں۔ دیکھیں یہ ایک انسانی زندگی کا سوال ہے۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے مارک التجائیہ انداز میں بولا تو ڈاکٹر جیسے بے بس سا ہو گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں چلوں گا آپ کے ساتھ۔"

"بہت بہت شکریہ سر.... میں آپ کی مدد کے لیے ممنون ہوں۔" مارک کا چہرہ کھل اٹھا۔

"آپ بس اتنا خیال رکھیے گا کہ آپ کی باتوں سے اسے یہ شک نہ ہو کہ آپ ایک سائیکاٹرسٹ ہیں۔"

"بے فکر رہیں۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اپنے سامنے کھلے لیپ ٹاپ پہ انگلیاں چلائیں۔

"کل میں پانچ سے چھ کے درمیان فارغ ہوں' آپ پونے پانچ بجے تک یہاں پہنچ جائیے گا۔" اس نے اپنا شیڈول چیک کیا۔

"ضرور...." مارک مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک بار پھر آپ کا بہت شکریہ۔" وہ ممنون سا بولا تو ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

رات کھانے کی میز پہ وہ تینوں موجود تھے۔ مارک چونکہ جوزفین کو ساری بات سے آگاہ کر چکا تھا۔ اس لیے ادھر ادھر کی باتوں کے درمیان اس نے قصداً یوں بات شروع کی جیسے ابھی ابھی کچھ یاد آیا ہو۔

"ہاں مِمکی تمہارے کزن کا کیا بنا؟" اس نے کھانا کھاتے ہوئے مارک کی طرف دیکھا۔

"پہنچ گیا ہے وہ.... کل ملنے کے لیے کہہ رہا ہے۔"

"پھر؟" جوزفین نے جواباً استفسار کیا۔

"سوچ رہا ہوں اسے کل شام یہاں انوائٹ کر لوں۔ اگر سیم کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔" مارک نے سیم کی طرف دیکھا۔

"کیوں نہیں۔" سیم نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم اس سے ملو گے نا۔" مارک نے نرمی سے پوچھا تو سیم جھجک سا گیا۔ اس کی جو کیفیت تھی اس میں فی الوقت وہ کسی سے بھی ملنے ملانے کا خواہاں نہ تھا' مگر وہ یوں دو ٹوک انکار مارک کو نہیں کر سکتا تھا۔

"دیکھو۔" وہ محض یہی کہہ پایا تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ تمہارا گھر ہے اور تم ہی نہ ملو۔ یہ تو اچھا نہیں لگے گا۔" مارک کی بات پہ وہ لحظہ بھر کو خاموش ہو گیا۔

"ویسے بھی تمہیں اب اپنی نارمل روٹین کی طرف آنا چاہیے سیم۔" جوزی نے بھی مداخلت کی تو وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

"شاید تم صحیح کہہ رہی ہو۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ تو مارک بے اختیار مسکرا دیا۔

"زبردست۔ یہ کی نا مردوں والی بات.... تمہیں اپنی ول پاور سے خود کو سنبھالنا ہوگا۔" اس کے رسان سے کہنے پر سیم دھیرے سے مسکراتا اپنی پلیٹ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"واقعی۔ مجھے اپنی قوت ارادی سے ہی خود کو ان فضول سوچوں سے نکالنا ہوگا۔" نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

"تمہاری غلطیوں کی نشان دہی کرتی یہ سوچیں

فضول ہیں کیا؟" اندر سے ایک آواز سی آئی تو اس کا نوالہ چباتا منہ رک گیا۔

"فضول نہ سہی، لیکن یہ میرا سوچنے کا انداز نہیں! میں چیزوں کو اس نظریے سے دیکھنے کا عادی نہیں!" اس نے غصے سے اس آواز کو باور کروایا۔

"تب ہی تو منہ کے بل گرے ہو۔" آواز نے ٹھٹھا لگایا تو سیم نے لب بھینچتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا کانٹا پلیٹ میں پٹخ دیا۔

اس کی اس حرکت پہ اپنے دھیان میں کھانا کھاتے مارک اور جوزی نے چونک کر اس کی طرف اور پھر ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"سیم! تم ٹھیک تو ہو؟" اور مارک کی آواز پہ اسے بھی جیسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ بری طرح شرمندہ ہو گیا۔

"آئی ایم سوری۔ سو سوری یار۔" چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے مقابل بیٹھے مارک کی طرف دیکھا۔

"کوئی بات نہیں، لیکن تم ٹھیک تو ہو نا؟" مارک نے نرمی سے اپنا سوال دہرایا۔

"ہاں نہیں... نہیں میں ٹھیک نہیں۔ شاید کل رات کی بے آرامی نے مجھے تھکا دیا ہے۔" مزید بات بنانے کا اس میں حوصلہ نہ ہوا تو تھک کر اس نے قبول کر لیا۔

"میں تمہاری دوائیں لاتی ہوں۔" جوزی سرعت سے اٹھی۔

"نیند کی دوا بھی لاؤ۔ اس کے لیے بھرپور نیند بہت ضروری ہے۔" مارک نے کچھ سوچتے ہوئے با آواز بلند کہا تو جوزی اثبات میں سر ہلاتی کمرے کی طرف چل دی۔

جوزی نے دوائیں لا کے اس کے سامنے رکھیں تو سیم نے چپ چاپ انہیں منہ میں رکھ لیا۔

"میں لیٹنے جا رہا ہوں۔" کرسی پیچھے دھکیلتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تو دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے دروازہ بند کیا اور بیڈ پہ گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔ وہ اس وقت کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ بھی!

سختی سے آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے چہرے پہ بازو رکھ لیا۔ اب یہ اس کی کوشش تھی یا نیند کی دوا کا اثر کہ جلد ہی اسے اپنے اعصاب پہ غنودگی چھاتی محسوس ہوئی تھی اور اسی سوئی جاگی کیفیت میں اسے دور سے ایک آواز ذہن پہ دستک دیتی محسوس ہوئی تھی۔

"ٹوٹتا ہے جب جامِ آرزو
تب درِ آگہی کھلتا ہے...."

"آ۔ یہ۔ یہ کس کی آواز ہے؟" ڈوبتے ذہن نے سوچنے کی کوشش میں آنکھوں کو کھولنے کی سعی کی تھی مگر پپوٹوں پہ گویا منوں بوجھ آدھرا تھا۔ اتنے میں آواز دوبارہ آئی تھی، لیکن مزید دور سے۔

"ٹوٹتا... جام آرزو
در آگہی کھلتا..."

"مطلب؟" ایک اور آواز ابھری تھی اور اس کے ساتھ ہی ہر طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ گہرا سناٹا!

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)